إِنَّ الَّذِينَ يُلْحِدُونَ فِي آيَاتِنَا لَا يَخْفَوْنَ عَلَيْنَا

کفر والحاد کی بے نظیر تحقیق

اکفار الملحدین

تصنیف:

امام العصر حضرت علامہ مولانا محمد انور شاہ کشمیریؒ

مترجم:

مولانا محمد ادریس میرٹھیؒ

استاذ حدیث جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کراچی

مکتبہ لدھیانوی

اکفار الملحدین

مولانا محمد انور شاہ کشمیریؒ

مکتبہ لدھیانوی

بانی: شہید اسلام حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانویؒ

مکتبہ لدھیانوی

ناشران وتاجران کتب

۱۸، اسلام کتب مارکیٹ بنوری ٹاؤن کراچی فون: 7780337 موبائل: 0300-2424041

DESIGNED BY : LUMINAR GRAPHICS PH : 021-7727728

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نام کتاب: ـــــــ تَرجَمَہ اِکفَارُ المُلحِدِینؒ
مصنف: ـــــــ علامہ محمد انور شاہ کشمیری نور اللہ مرقدہٗ
اشاعت اول: ـــــــ ۱۳۸۷ھ (ادارہ مجلس علمی کراچی)
اشاعت اول: ـــــــ رجب ۱۴۲۴ھ، ستمبر ۲۰۰۳ء
کمپوزنگ: ـــــــ صدیقی کمپوزرز، ماڈل کالونی، کراچی
فون: 0320-4084547,4504007
ناشر: ـــــــ مکتبہ لدھیانوی
ملنے کا پتہ:
18- سلام کتب مارکیٹ، بنوری ٹاؤن، کراچی

پیش لفظ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ!

صحیح مسلم میں حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد مروی ہے کہ:

"تعرض الفتن على القلوب كالحصير عودًا عودًا فاى قلب اشربها نكتت فيه نكتة سوداء، واى قلب انكرها نكتت فيه نكتةٌ بيضاء حتى تصير على قلبين ابيض مثل الصفا فلا تضره فتنة ما دامت السموات والارض، والآخر اسود مربادًا كالكوز مخجيًا لا يعرف معروفًا ولا ينكر منكرًا الا ما اشرب من هواه." (مشکوٰۃ ص:۴۶۱)

ترجمہ...... "فتنے قلوب کے سامنے اس طرح آئیں گے، جیسے چٹائی میں ایک تنکا بُنا جاتا ہے، سو جس دل نے ان کو جذب کرلیا، اس پر سیاہ داغ اور جس دل نے ان سے تنفر کیا،

زمانہ کے مسلمانوں سے بعینہٖ اسی قرآن کو نقل کرتے، پڑھتے پڑھاتے اور حفظ و تلاوت کرتے چلے آئے ہیں، تم عہد بعہد پڑھتے اور بڑھتے چلے جاؤ جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچ جاؤ گے، نہ کسی سند کی ضرورت ہے، نہ کسی راوی کا نام لینے کی۔

باقی ہر عہد کے لوگوں کا دوسرے عہد کے لوگوں سے یہ نقل کرنا اور اس پر یقین کرنا کہ یہ قرآن بعینہٖ وہی کتاب ہے جو رسول اللہ پر نازل ہوئی، اس میں تو سب ہی مسلمان شریک ہیں، چاہے انہوں نے قرآن پڑھا ہو، یا نہ پڑھا ہو، (اس لئے کہ اس یقین کے بغیر تو کوئی مسلمان ہی نہیں ہوسکتا)۔

۳:......تواترِ عمل یا توارث!

ہر زمانہ کے لوگ جن ''امورِ دین'' پر عمل کرتے چلے آئے ہوں اور وہ ان میں جاری و ساری رہے ہوں، وہ سب امور و احکام ''متواتر'' ہیں (مثلاً وضو، پھر وضو میں مسواک کرنا، کلی کرنا، ناک میں پانی ڈالنا، نماز باجماعت، اذان و اقامت وغیرہ)۔

فائدہ:۱:......بعض احکام میں تینوں قسم کا ''تواتر'' جمع ہوجاتا ہے، مثلاً وضو میں مسواک کرنا، کلی کرنا اور ناک میں پانی دینا کہ یہ احکام ایسے ہیں جن میں تینوں قسمیں تواتر کی جمع ہوگئی ہیں۔

فائدہ:۲:......بعض لوگ (تواتر کی تینوں قسموں کو پیش نظر نہ رکھنے کی وجہ سے) یہ سمجھ بیٹھے ہیں کہ ''متواتر'' احادیث و احکام بہت کم ہیں، حالانکہ فی الواقع ہماری شریعت میں متواترات اتنے بے شمار ہیں کہ انسان ان کے گننے اور فہرست بنانے سے عاجز ہے۔

فائدہ:۳:......بہت سے ایسے احکام و مسائل ہیں کہ ہم ان کے ''تواتر'' سے

غافل اور بے خبر ہوتے ہیں، لیکن جب توجہ اور تجسس کرتے ہیں تو کسی نہ کسی اعتبار سے وہ متواتر نظر آتے ہیں، یہ بالکل ایسا ہی ہے جیسے بسااوقات انسان ''نظری'' مسائل کے سمجھنے اور محفوظ کرنے میں ایسا منہمک ہوجاتا ہے کہ ''بدیہیات'' اس کی نگاہ سے بالکل اوجھل ہوجاتے ہیں (اور جب توجہ کرتا ہے تو پتہ چلتا ہے کہ یہ تو ''بدیہی'' ہیں)۔

ضروریاتِ دین سے کسی متواتر امر ''مسنون'' کے انکار سے بھی انسان کافر ہوجاتا ہے:

ضروریاتِ دین اور متواترات کی اس تشریح و تحقیق کے بعد اب ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ مثلاً:

۱:......نماز پڑھنا فرض ہے اور اس کے فرض ہونے کا اعتقاد بھی فرض ہے، اور نماز سیکھنا بھی فرض ہے اور نماز سے انکار یعنی اس کو نہ ماننا یا نہ جاننا کفر ہے۔

۲:......اور مسواک کرنا سنت ہے، مگر اس کے سنت ہونے کا اعتقاد فرض ہے، اور اس کی سنیت کا انکار کفر ہے، لیکن اس پر عمل کرنا اور علم حاصل کرنا سنت ہے، اور اس کے علم سے ناواقف رہنا حرمانِ ثواب کا باعث ہے، اور اس پر عمل نہ کرنا (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) کے عتاب یا (ترک سنت کے) عذاب کا موجب ہے۔ (دیکھا آپ نے ایک سنت کی سنیت کے انکار سے بھی انسان کافر ہوجاتا ہے)۔

ضروریاتِ دین میں ''تاویل'' کرنا بھی کفر ہے:

ہم آنے والی فصلوں میں زیادہ تفصیل اور تحقیق کے ساتھ ثابت کریں گے کہ اربابِ حل و عقد علماً کا اس پر اجماع ہے کہ ''ضروریاتِ دین'' میں کوئی ایسی تاویل کرنا بھی کفر ہے جس سے اس کی وہ صورت باقی نہ رہے جو تواتر سے ثابت ہے، اور جو اب تک ہر زمانہ کے خاص و عام مسلمان سمجھتے سمجھاتے چلے آئے ہیں، اور جس پر

امت کا تعامل رہا ہے۔(۱)

علماءِ احناف کے نزدیک تو کسی بھی ''قطعی'' امر کا انکار کفر ہے:

علماءِ احناف تو اس پر اور اضافہ کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ کسی بھی ''قطعی'' اور ''یقینی''، ''حکم شرعی'' یا ''عقیدہ'' کا انکار کفر ہے، اگرچہ وہ ضروریاتِ دین کے تحت نہ بھی آتا ہو، چنانچہ شیخ ابن ہمام رحمہ اللہ نے ''مسایرہ'' ص:۲۰۸ طبع جدید، مصر میں اس کی تصریح فرمائی ہے۔ اور دلائل کے اعتبار سے علماءِ احناف کی یہ رائے غایت درجہ قوی ہے۔

حاصل یہ ہے کہ ہر وہ ''قطعی'' اور ''یقینی'' امر شرعی، جو اس قدر واضح ہو کہ اس کے تعبیر کرنے والے الفاظ اور ان کے معنی کو ہر اعلیٰ، ادنیٰ اور متوسط درجہ کا آدمی بآسانی جانتا اور سمجھتا ہو اور ان کی مراد بھی اتنی واضح ہو کہ اس کے متعین کرنے کے لئے دلائل و براہین کی کھینچ تان کی ضرورت نہ ہو، ایسا ''امر شرعی'' جب صاحب شریعت علیہ السلام سے بطور ''تواتر'' ثابت ہو اس پر بعینہٖ اور ہو بہو اسی ظاہری صورت میں بغیر کسی تاویل وتصرف کے ایمان لانا فرض ہے، اور اس کا انکار یا اس میں کوئی ''تاویل وتصرف'' کرنا کفر ہے۔

ختم نبوت کا انکار یا اس میں کوئی تاویل کفر ہے:

مثلاً ختم نبوت کا عقیدہ کہ اس کے سمجھنے اور جاننے میں کسی بھی شخص کو کوئی دشواری یا اشکال نہیں، چنانچہ ہر زمانہ میں تمام روئے زمین کے مسلمان حدیث ذیل کے الفاظ سے اس عقیدہ کو بخوبی سمجھتے رہے ہیں:

(۱) جیسے اس زمانہ کے بعض بے دین ملحد لفظ ''صلوٰۃ'' کو عربی کے لفظ ''مصلی'' (بمعنی دوڑ میں دوسرے نمبر پر آنے والے گھوڑے) سے مشتق مان کر ''صلوٰۃ'' کو ایک ''ورزش جسمانی'' قرار دیتے ہیں، اور ''اقامت صلوٰۃ'' کے معنی ''جسمانی ورزش کرنا'' کہتے ہیں، یا اسی طرح ربوا (سود) کو تجارتی منافع سے تعبیر کرکے سود کو جائز کہتے ہیں، یہ سب کفر محض ہے۔ مترجم۔

''ان الرسالة والنبوة قد انقطعت فلا رسول بعدی ولا نبی.'' (جامع الترمذی ج:۲ ص:۵۱)

ترجمہ:...... ''بے شک رسالت و نبوت کا سلسلہ منقطع ہوگیا، پس میرے بعد اب نہ کوئی رسول ہوگا، نہ کوئی نبی۔''

یا حدیث شریف کا مذکورہ ذیل جملہ اس مسئلہ کو سمجھانے کے لئے ہر خاص و عام شخص کے لئے کافی ووافی ہے:

''ذهبت النبوة وبقيت المبشرات.''

(ترمذی ج:۲ ص:۵۱)

ترجمہ:...... ''نبوت تو ختم ہوگئی اب تو صرف ''بشارت دینے والے خواب'' رہ گئے ہیں۔''

اس لئے کہ ان ہر دو حدیثوں کے ظاہری الفاظ اور ان کے متبادر معنی ختم نبوت کے سوا اور کچھ نہیں ہوسکتے (اور ہر عالم وغیر عالم آدمی بغیر کسی تردد وتذبذب اور اشکال و دشواری کے ان احادیث کے الفاظ سے یہ جانتا اور سمجھتا ہے کہ نبوت و رسالت کا جو سلسلہ حضرت آدم علیہ السلام سے شروع ہوا تھا، وہ رسول اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام پر ختم ہوچکا، اب نہ کوئی نبی ہوسکتا ہے نہ رسول)۔

ختم نبوت کا اعلان برسرِ منبر:

جب یہ عقیدہ ''شہرت وتواتر'' کے اس مرتبہ کو پہنچ چکا ہے کہ خود صاحب نبوت علیہ الصلوٰۃ والسلام برسرِ منبر ایک سو پچاس مرتبہ بلکہ اس سے بھی زیادہ بار واضح اور غیر مبہم الفاظ (احادیث) میں مختلف مواقع اور مجامع میں اس کا اعلان اور تبلیغ فرماتے ہیں۔ اور کبھی ادنیٰ اشارہ بھی اس طرف نہیں فرماتے کہ اس میں کسی ''تاویل'' کا امکان ہے، اور عہد نبوت سے اب تک امت محمدیہ کا ہر حاضر وغائب فرد عہد بعہد اس عقیدہ کو سنتا، سمجھتا اور مانتا چلا آتا ہے حتیٰ کہ ہر زمانہ میں تمام مسلمانوں کا اس پر

ایمان رہا ہے کہ: ”خاتم انبیاءؐ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اب کوئی نبی نہ ہوگا۔“ بجز اس کے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام قیامت کے قریب اسی امت کے ایک ”عادل حاکم“ کی حیثیت سے اس وقت آسمان سے اتریں گے، جبکہ مسلمانوں اور عیسائیوں کے درمیان عالمگیر خون ریز لڑائیاں اور ہولناک خونی حادثے پیش آچکے ہوں گے۔ اس وقت حضرت مہدی علیہ الرضوان مسلمانوں کی اصلاح کا بیڑہ اٹھائیں گے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام نصاریٰ کی اصلاح فرمائیں گے، اور یہودیوں کو تہ تیغ کریں گے، ان ہر دو بزرگوں کی برکت اور مساعی سے پھر ایک مرتبہ تمام نوع انسانی صرف خدائے وحدہ لا شریک کی پرستار اور فرماں بردار بن جائے گی۔

حضرت عیسیٰؑ کا قیامت کے قریب آسمان سے اترنا ”متواتر“ ہے:

چنانچہ حافظ ابن حجر علیہ الرحمۃ نے ”فتح الباری“ ج:۶ ص:۴۹۳، ۴۹۴، اسی طرح ”التلخیص الحبیر باب الطلاق“ میں، اور حافظ ابن کثیرؒ نے تفسیر ابن کثیر ج:۱ ص:۵۸۲، سورۂ نسا، اور ج:۴ ص:۱۳۲، سورۂ زخرف میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نزول پر امت کے ”اجماع“ اور ”تواتر“ کی تصریح نقل فرمائی ہے۔

پنجاب کا ایک ملحد اور دعوائے نبوت وعیسویت:

لیکن تیرہ سو سال بعد پنجاب سے ایک ملحد اٹھتا ہے جو ان تمام نصوصِ صحیحہ میں، ماضی کے زندیقوں کی طرح نت نئی تحریفیں اور تاویلیں کرتا ہے اور کہتا ہے کہ: ”اللہ تعالیٰ نے ”ابن مریم“ میرا نام رکھا ہے، اور وہ ”عیسیٰ ابن مریمؑ“ میں ہی ہوں جس کے آخری زمانہ میں آسمان سے نازل ہونے کی پیش گوئی احادیثؐ میں کی گئی ہے، اور وہ یہودی، جن کو ابن مریم قتل کریں گے، اس سے مراد عہد حاضر کے وہ علمائے اسلام ہیں جو میری نبوت پر ایمان نہ لائیں، اس لئے کہ وہ یہودیوں کی طرح ظاہر

پرست اور روحانیت سے محروم ہیں۔“

اس ملحد کی حقیقت:

حالانکہ اس ملحد کو اتنا بھی پتہ نہیں کہ اگلے زمانہ کے وہ ”زندیق وملحد“ جن کا نام و نشان بھی آج صفحۂ ہستی سے مٹ چکا ہے وہ اس ”روحانیت“ میں، (اگر یہ ”بے دینی“ ہی روحانیت ہے)، اس ملحد سے بہت بڑھ چڑھ کر اور غیر معمولی قوتوں کے مالک تھے۔

چنانچہ اس بے دین کا روحانی باپ اور پیر و مرشد ”باب“ اور اس کے بعد ”بہا“ اور ”قرۃ العین“ (یعنی بابی اور بہائی وغیرہ لیڈر) جن کو ہلاک ہوئے کچھ زیادہ زمانہ بھی نہیں گزرا ہے یہ (صفحات تاریخ پر) ہمارے سامنے ہیں، ان لوگوں نے بھی اسی قسم کے دعوے کئے تھے، جن کی نقل یہ زندیق اُتار رہا ہے، ان کے ماننے والے اشقیاء اور ان کے پیرووں کی تعداد تو اس بے دین کے ماننے والوں سے بدرجہا زائد تھی، اور اس بے دین کو تو وہ جاہ وجلال بھی نصیب نہیں ہوا جو ان کو میسر تھا، خون ریز لڑائیوں اور جان لیوا معرکوں میں ان کی ثابت قدمی اور پامردی، رائفلوں کی گولیوں کے سامنے سینہ تان کر آنا اور ان کے سینوں پر گولیوں کا لگنا اور ہلاک نہ ہونا اور پہلے سے اس کی خبر دے دینا (کہ ہم ہلاک نہ ہوں گے) اور پھر اس کے مطابق ہی واقع ہونا (اور ان کا زندہ بچ جانا) وہ حیران کن اور شاندار کارنامے ہیں جو اس بزدل کے تصور میں بھی کبھی نہ آئے ہوں گے۔

بھلا اس زندیق کو وہ سحر آفرینی، شیریں زبان اور ولولہ انگیز شاعری کہاں نصیب؟ جس کی مشہور خاتون ”قرۃ العین“ مالک تھی؟ جس کا تذکرہ ایک عرب شاعر ذیل کے الفاظ میں کرتا ہے:

میں داخل ہونے کا حکم دینے پر فرمایا: اگر وہ لوگ (اپنے امیر کے کہنے پر) آگ میں داخل ہوجاتے تو قیامت تک اس سے باہر نہ نکلتے، اس لئے کہ امیر کی اطاعت تو صرف ازروئے شرع جائز امور میں کی جاتی ہے (اور جان بوجھ کر آگ میں کودنا خودکشی اور حرام ہے، اگرچہ امیر کے حکم سے کیوں نہ ہو، معلوم ہوا کہ دخول فی النار کے جواز کے لئے اطاعت امیر کی تاویل باطل ہے)۔

۲:......ایسے ہی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس شخص کے بارے میں جس کا سر پھٹ گیا تھا اور اس کے باوجود لوگوں نے اس کو ناپاکی کا غسل کرنے کا فتویٰ دیا تھا، اور وہ غسل کرنے کی وجہ سے مرگیا تھا، فرمایا:

"خدا ان کو ہلاک کرے، انہوں نے اس غریب کو مار ڈالا۔"

(دیکھئے! حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان غلط فتویٰ دینے والوں کے فتوے اور تاویل کا مطلق اعتبار نہیں کیا اور اس کی موت کا ان کو ذمہ دار قرار دیا۔)

۳:......اسی طرح حضور علیہ السلام، حضرت معاذؓ پر کس قدر غصہ اور ناراض ہوئے، صرف اس بات پر کہ وہ اپنی قوم کو نماز پڑھاتے وقت لمبی لمبی سورتیں پڑھا کرتے تھے، اور فرمایا: "افتانٌ انت یا معاذ؟" (تم فتنہ میں ڈالنے والے ہو اے معاذ؟) (حالانکہ وہ آپؐ کی ہی نقل اتارتے تھے، اور جو سورتیں آپؐ نماز میں پڑھتے تھے وہ بھی وہی پڑھتے تھے، مگر آپؐ نے ان کی اس تاویل کی طرف اصلاً التفات نہ کیا اور ان کو فتنہ انگیز قرار دے دیا۔)

اسی طرح نماز میں طویل قرأت کرنے کی وجہ سے ایک مرتبہ آپ ابیؓ بن کعبؓ پر بھی ناراض ہوئے (اور ان کا بھی کوئی عذر نہ سنا)۔

۴:......اسی طرح ایک مرتبہ حضور علیہ السلام، حضرت خالدؓ پر ان لوگوں کو قتل کردینے کی بنا پر سخت برہم ہوئے، جنہوں نے: "اسلمنا اسلمنا" نہ کہہ سکنے کی وجہ

سے "صبأنا صبأنا" کہہ کر اپنے مسلمان ہونے کا اظہار کیا تھا، مگر حضرت خالدؓ نہ سمجھے اور ان کو قتل کردیا (حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت خالد کی غلط فہمی پر ان کو معذور نہ قرار دیا)۔

اسی طرح حضرت اسامہؓ نے سفر جہاد میں ایک بکریاں چرانے والے چرواہے کے "کلمہ پڑھنے" کو ایک حیلہ سمجھ کر قتل کردیا کہ یہ اپنی جان و مال بچانے کی غرض سے کلمہ پڑھ رہا ہے، مگر آپؐ ان پر بے حد ناراض ہوئے اور فرمایا: "ھلا شققت قلبہ" (تو نے اس کا دل چیر کر کیوں نہ دیکھا؟)۔

(غرض آپؐ نے خالدؓ اور اسامہؓ کے اس بظاہر عذر اور جائز تاویل کا قطعاً لحاظ نہیں کیا۔)

۵:......اسی طرح آپؐ اس شخص پر بے حد ناراض اور غصہ ہوئے جس نے مرض الموت کے وقت اپنے تمام غلام آزاد کردیئے، حالانکہ وہی اس کی تمام پونجی اور سرمایہ تھا، اور آپؐ نے اس شخص کو ورثا کی حق تلفی کا مرتکب قرار دے دیا (اور اس کا کوئی عذر نہ سنا)۔

ان کے علاوہ بے شمار واقعات ہیں جن میں آپؐ نے "بے جا تاویل" اور "بے معنی عذر" کا قطعاً اعتبار نہیں کیا۔

تاویل کہاں معتبر ہے؟

فقہا کی اصطلاح میں چونکہ یہ تاویلیں امر مجتہد فیہ (محل اجتہاد) میں نہ تھیں، اس لئے آپؐ نے ان کا اعتبار نہ کیا، اس کے برعکس ایسے امور میں آپؐ نے تاویل کو عذر قرار دیا اور تسلیم کیا ہے جو محل اجتہاد تھے، مثلاً:

۱:......جن صحابہؓ کو آپؐ نے حکم دیا تھا کہ: "عصر کی نماز بنی قریظہ میں جاکر پڑھنا۔" اور انہوں نے عصر کی نماز راستہ میں صرف اس لئے نہ پڑھی اور قضا کردی کہ

آپؐ نے بنی قریظہ میں نمازِ عصر پڑھنے کا حکم دیا ہے (آپؐ نے ان لوگوں کو نمازِ عصر قضا کر دینے پر کچھ نہ کہا)۔

(صحیح بخاری ج:۲ ص:۵۹۱)

۲:......اسی طرح ایک موقع پر دو صحابی سفر کر رہے تھے، راستہ میں پانی نہ ملا، اس لئے انہوں نے تیمم کر کے نماز پڑھ لی، اس کے بعد پانی مل گیا، وقت باقی تھا، ایک نے تو وضو کر کے دوبارہ نماز پڑھ لی، دوسرے نے نہ پڑھی، جب آپؐ کی خدمت میں واقعہ پیش کیا گیا تو آپؐ نے ان دونوں میں سے کسی ایک کو بھی سرزنش نہ فرمائی، صرف اس لئے کہ ان امور میں تاویل کی گنجائش تھی۔

خلاصہ:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال و افعال اس باب میں مسلمانوں کے لئے اسوۂ حسنہ اور روشن لائحہ عمل ہونے چاہئیں، اور صرف انہی امور میں تاویل اور عذر کا اعتبار کرنا چاہئے جن میں تاویل کی گنجائش ہو۔

ہدایت دینے والا تو اللہ ہی ہے، وہی جس کو چاہے ہدایت دیتا ہے، اور جس کو خدا گمراہ کر دے اس کو تو کوئی بھی ہدایت نہیں کر سکتا۔

(ختم شد مقدمہ کتاب)

زندیقین، ملحدین و باطنیہ کی تعریف اور ان کے کفر کا ثبوت:

کافروں کی قسمیں اور نام:

علامہ تفتازانیؒ "مقاصد" ج:۲ ص:۲۶۸ کے خاتمہ نمبر:۴ میں گمراہ فرقوں کی اقسام، تعریفات اور نام بیان فرماتے ہوئے لکھتے ہیں:

"کوئی کافر اگر زبان سے اسلام کا اظہار کرے اور اندر سے کافر ہو تو اس کا نام "منافق" ہے، اور اگر مسلمان ہونے کے بعد کفر اختیار کرے تو اس کا نام "مرتد" ہے، اور اگر چند معبودوں کا قائل ہو تو اس کا نام "مشرک" ہے، اور اگر کسی دوسرے آسمانی مذہب کا پیرو ہو تو اس کا نام "کتابی" ہے، اور حوادثِ عالم کو زمانہ کی جانب منسوب کرے اور اس کو قدیم مانتا ہو (یعنی زمانہ کو ہی خالقِ عالم اور ازلی ابدی مانتا ہو) تو اس کا نام "دہریہ" ہے، اور اگر خالقِ عالم کا سرے سے منکر ہو تو اس کا نام "معطل" (خدا کا منکر) ہے، اور اگر مسلمان کہلانے کے باوجود ایسے عقیدے رکھتا ہو جو متفقہ طور پر کفر ہیں تو اس کا نام "زندیق" ہے (بالفاظ دیگر سات قسم کے کافر ہیں: منافق، مرتد،

کتابی، مشرک، دہریہ، معطل، زندیق اسی کو ''باطنی'' اور ''ملحد'' بھی کہتے ہیں)۔''

''شرح مقاصد'' میں اس کی تشریح یوں فرماتے ہیں:

''یہ واضح ہوچکا کہ کافر ہر اس شخص کا نام ہے جو مؤمن نہ ہو، اب اگر وہ زبان سے اسلام کا دعویٰ کرتا ہے تو اس کا خاص نام ''منافق'' ہے، اور اگر پہلے مسلمان تھا اور پھر کافر ہوگیا تو اس کا خاص نام ''مرتد'' ہے، اس لئے کہ وہ اسلام سے پھر گیا (ارتداد کے معنی ہیں لوٹ جانا، پھر جانا)، اور اگر ایک سے زیادہ معبود مانتا ہے تو اس کا خاص نام ہے ''مشرک''، اس لئے کہ وہ خدا کا شریک مانتا ہے (یعنی غیراللہ کو اللہ کا شریک کہتا ہے)، اور اگر کسی منسوخ آسمانی مذہب اور کتاب کا پیرو ہے تو اس کا خاص نام ''کتابی'' ہے، جیسے یہودی، نصرانی، اور اگر زمانہ کو قدیم (کہ ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا) مانتا ہے اور دنیا کے تمام واقعات و موجودات کو اسی کی جانب منسوب کرتا ہے (گویا زمانہ کو ہی خالق کائنات مانتا ہے) تو اس کا خاص نام ''دہریہ'' ہے (دہر کے معنی ہیں لامحدود زمانہ)، اور اگر خالق عالم کا وجود ہی نہیں مانتا (اور عالم کو باقتضاء مادہ آپ سے آپ پیدا ہوجانے والا سمجھتا ہے) تو اس کا خاص نام ''معطل'' ہے، اور اگر نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نبوت کا اقرار اور اسلامی شعائر کا اظہار کرنے کے باوجود ایسے عقیدے رکھتا ہے جو متفقہ طور پر کفر ہیں، اس کا خاص نام ''زندیق'' ہے، ''زند'' اصل میں اس کتاب کا نام ہے جسے ''قباذ'' بادشاہِ ایران کے عہد میں مزدک نے پیش کیا

تھا، اس کا دعویٰ تھا کہ یہ مجوسیوں کی اسی کتاب کی تفسیر ہے جس کو زرتشت لے کر آیا تھا، مجوسیوں کا عقیدہ ہے کہ زرتشت نبی تھا، اسی زند کی جانب یہ زندیق منسوب ہے (یعنی زندیق زندیک کا معرب ہے جس کے معنی ہیں زند کو ماننے والا)، اہل اسلام نے ہر اس بے دین آدمی کے لئے یہ لفظ استعمال کیا ہے جو کفریہ عقائد رکھتا ہے اور اسلام کا دعویٰ کرتا ہے، اسی کو عربی میں ''ملحد''(۱) اور ''باطنی'' کہتے ہیں، ''باطنیہ'' انہی زندیقوں اور ملحدوں کے ایک خاص فرقہ کا نام ہے)۔''

زندیق کی تعریف اور باطنی کی تحقیق:

صاحب ''ردالمحتار'' علامہ شامیؒ ''باطنی'' کی تحقیق کے ذیل میں شامی ج:۳ ص:۴۰۹ و ۴۱۰ پر، قولہ ''المعروف'' کے تحت لکھتے ہیں:

''زندیق اپنے کفر پر اسلام کا ملمع کرتا ہے اور فاسد عقائد کو ایسی صورت میں پیش کرتا اور رواج دیتا ہے کہ وہ سرسری نظر میں صحیح معلوم ہوتے ہیں، ''ابطانِ کفر'' (کفر کو چھپانے) کا مطلب یہی ہے، لہٰذا علانیہ گمراہی کو اختیار کرنا اور دوسروں کو اس کی طرف دعوت دینا باطنی ہونے کے منافی نہیں ہے (یعنی باطنی ہونے کے لئے یہ ضروری نہیں ہے کہ وہ اپنے کفریہ عقائد اور

(۱) علامہ ابن عابدینؒ ''شامی'' (ج:۳ ص:۴۰۹) میں ملحد کی تعریف ان الفاظ میں کرتے ہیں: "والملحد هو من مال عن الشرع القويم الیٰ جهة من جهات الكفر، من ألحد في الدين حاد وعدل... الخ" (عن العلامہ کمال پاشا) یعنی ملحد وہ شخص ہے جو محکم شریعت سے کسی بھی کفر کی جانب ہٹ گیا ہو اور یہ لفظ "ألحد في الدين" سے ماخوذ ہے جس کے معنی ہیں دین سے منحرف ہوجانا اور ہٹ جانا (یہ علامہ کمال پاشا کی تحقیق ہے) مترجم۔

گمراہی کو لوگوں سے چھپاتا ہو، بلکہ اسلام میں کفر کو غیر محسوس طریق پر داخل کرنا اور چھپانا ہی باطنی ہونے کے معنی ہیں، اسی لئے ایسے گمراہ لوگوں کو ''باطنیہ'' کہتے ہیں)۔''

حضرت مصنف علیہ الرحمۃ بین السطور میں فرماتے ہیں کہ: حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ کی ''فتح الباری'' ج:۱۲ ص:۲۴۰ میں ''ابطانِ کفر'' کی تفسیر کی مراجعت کیجئے، اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ کفر کو چھپانے کے معنی ہیں: ''اسلام کے ساتھ کفر کو ملادینا۔''

زندیقوں اور باطنیوں کا حکم:

امام نوویؒ ''شرح منہاج'' ص:۱۲۱ میں زندیقوں اور باطنیوں کے مرتد کے حکم میں ہونے اور ان کی توبہ کے قبول نہ ہونے کی تصریح فرماتے ہیں:

''بعض علماء کا قول ہے کہ اگر کوئی مسلمان زندیقوں اور باطنیوں کی طرح کفرِ خفی (پوشیدہ کفر) کی طرف لوٹ جائے تو (وہ مرتد ہے) اس کی توبہ قبول نہیں کی جائے گی۔''

حضرت مصنف نور اللہ مرقدہ فرماتے ہیں کہ: علماء کی ان تصریحات سے ثابت ہوتا ہے کہ کسی شخص کے کفر کو چھپانے (اور باطنی ہونے) کے معنی یہ نہیں ہیں کہ وہ اپنے کفریہ عقائد کو لوگوں سے چھپاتا ہو، بلکہ باطنی ہر وہ گمراہ شخص ہے جو اسلامی عقائد کے خلاف کوئی عقیدہ رکھتا ہو اور مسلمان ہونے کا مدعی ہو، بحیثیت مجموعی ایسا شخص کافر ہے اور اس کے عقائد کفرِ محض ہیں۔

چنانچہ مسند احمد بن حنبل ج:۲ ص:۱۰۸، اور ''فتح الباری'' ج:۱ ص:۱۴۱، میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی ایک روایت ہے، وہ کہتے ہیں کہ: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا، آپؐ فرمارہے تھے کہ: ''(آئندہ زمانہ میں) اس امت کے اندر

بھی مسخ ہوگا (یعنی انسانوں کی صورتیں مسخ ہوکر جانور بن جائیں گے) ہوشیار رہنا! یہ مسخ تقدیر کے منکروں اور ''زندیقوں'' کے اندر ہوگا۔'' (یعنی منکرین تقدیر اور زندیقوں کی صورتیں ہی مسخ ہوں گی۔ اس روایت سے ثابت ہوا کہ زندیق بھی منکرین تقدیر کی طرح کافر ہیں، اس لئے کہ کافروں کی صورتیں ہی مسخ ہوتی ہیں) ''خصائص'' کے مصنف فرماتے ہیں: اس حدیث کی سند صحیح ہے، ''منتخب کنز العمال'' ج:۶ ص:۵۰ میں درج ایک مرفوع روایت اس حدیث کی مزید وضاحت کرتی ہے، وہ روایت یہ ہے کہ (۱):

''حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: میری امت میں ایک قوم ایسی بھی ہوگی جو خدا اور قرآن کی منکر اور کافر ہوجائے گی، اور ان کو پتہ بھی نہیں چلے گا (کہ ہم کافر ہوگئے) جیسے یہودی اور نصرانی کافر ہوگئے (اور ان کو پتہ بھی نہ چلا) یہ وہی لوگ ہوں گے جو تقدیر کے ایک جزو کا اقرار کریں گے اور ایک جزو کا انکار، یہ کہیں گے، یعنی ان کا عقیدہ یہ ہوگا کہ ''خیر'' اللہ کی جانب سے ہے اور ''شر'' شیطان کی جانب سے (یعنی خیر کا خالق اللہ ہے اور شر کا خالق شیطان، بالفاظ دیگر دو خدا ہیں، ایک ''خدائے خیر'' اور ایک ''خدائے شر'' جیسے مجوسی ''یزداں'' اور ''اہرمن'' دو خدا مانتے ہیں) اور اپنے اس عقیدہ کے ثبوت میں وہ قرآن کی آیتیں پڑھیں گے (یعنی اپنے اس عقیدہ کو قرآن سے ثابت کریں گے) چنانچہ یہ لوگ قرآن پر ایمان لانے اور علم ومعرفت حاصل کرنے کے بعد محض اس عقیدہ کی بنا پر کافر ہوجائیں گے۔ میری امت کو ان لوگوں سے کس قدر جنگ و

(۱) حضرت شیخ نے یہ روایت بطور حاشیہ لکھی ہے۔ مترجم۔

جدال اور بغض وعناد کا سامنا کرنا پڑے گا (خدا ہی خوب جانتا ہے) یہی لوگ اس امت کے زندیق (مجوسی) ہیں، ان کے عہد میں حکمرانوں کا ظلم وستم حد سے زیادہ بڑھ جائے گا، پناہ بخدا اس ظلم و جور اور ایسی حق تلفی سے! اس کے بعد اللہ تعالیٰ ایک ایسا طاعون بھیجیں گے جو ان میں سے بیشتر لوگوں کو ہلاک کردے گا، اس کے بعد "خسف" ہوگا (اور یہ لوگ زمین میں دھنس جائیں گے) تو شاید ہی ان میں سے کوئی بچے (ورنہ سب ہی ہلاک ہوجائیں گے) ان دنوں میں اہل ایمان کے لئے خوشی اور مسرت مفقود اور غم والم حد سے زیادہ ہوگا۔ اس کے بعد "مسخ" ہوگا تو اللہ تعالیٰ ان میں کے باقی تمام لوگوں کو بندر اور خنزیر بنادیں گے، پھر اس کے بعد ہی دجال کا ظہور ہوگا۔"

"طبری" اور "بیہقی" نے اس حدیث کو روایت کیا ہے اور "بغوی" نے رافع بن خدیجؓ (صحابی) سے بھی اس حدیث کو روایت کیا ہے۔

خلاصہ:...... حضرت مصنف رحمہ اللہ تعالیٰ مذکورہ بالا کتب اور حوالوں سے یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ اسلام میں کفریہ عقائد کو داخل کرنے والا ہر مسلمان (کہلانے والا) زندیق ہے، باطنی ہے، اور یہ تینوں قطعاً کافر ہیں، نیز زندقہ، الحاد اور باطنیت کی حقیقت اسلام کے پردہ میں کفر کو چھپانے کے سوا اور کچھ نہیں اور یہ تینوں فرقے یقیناً کافر ہیں۔ مترجم۔

جن اہل قبلہ کو کافر نہیں کہا جاتا، ان سے کون لوگ مراد ہیں؟[1]

علمائے اہل سنت کے اقوال:

(علامہ تفتازانیؒ ان اہل قبلہ کی تعیین کے سلسلہ میں کہ جن کو کافر نہیں کہا جاتا، علمائے اہل سنت اور معتزلہ کے مذکورہ ذیل اقوال "مقاصد" ج:۱ ص:۲۶۹ پر بیان فرماتے ہیں:)

"ساتویں بحث، ان اہل قبلہ کے حکم کا بیان جو اہل حق کے مخالف ہیں:

۱:...... جو اہل قبلہ (مسلمان کہلانے والے) حق کے مخالف (اور گمراہ) ہیں وہ اس وقت تک کافر نہیں کہلاتے جب

---

(۱) عام طور پر مسلمان ایسے لوگوں یا فرقوں کو جو قطعی طور پر کفریہ عقائد و اعمال کے مرتکب اور کافر ہیں، محض اس لئے کافر کہنے اور اسلام سے خارج قرار دینے سے اجتناب کرتے ہیں کہ وہ خدا و رسول اور قرآن کا نام لیتے ہیں، بظاہر مسلمانوں کے سے کام کرتے ہیں۔ اور کہا کرتے ہیں کہ: "اہل قبلہ کو کافر کہنا جائز نہیں" یہ ایک بہت بڑی غلط فہمی یا دھوکا ہے جس میں اچھے اچھے مسلمان گرفتار ہیں، درحقیقت "كلمة حق اريد به الباطل" کے طور پر یہ ایک چلتا ہوا فقرہ اور فریب ہے جس کو یہ گمراہ اور کافر لوگ اپنے آپ کو مسلمان ثابت کرنے اور علمائے حق کی تکفیر سے بچنے کے لئے سپر کے طور پر استعمال کرتے ہیں، اس لئے مصنف قدس اللہ سرہ نے مذکورہ بالا عنوان قائم کرکے اس غلط فہمی یا فریب کا پردہ چاک فرمایا ہے اور مسلمانوں کو اس غلط فہمی سے بچایا ہے۔ مترجم۔

تک کہ ضروریاتِ دین (یعنی ان قطعی اور یقینی عقائد و احکام) کا انکار نہ کریں (جن کے شارع علیہ السلام سے ثابت ہونے پر امت کا اجماع ہے) مثلاً عالم کے حادث (یعنی عدم کے بعد موجود) ہونے کا عقیدہ، حشر جسمانی (یعنی مرنے کے بعد جسمانی طور پر دوبارہ زندہ ہونے) کا عقیدہ۔

۲:.....اور بعض علماً کہتے ہیں کہ نہیں! ہر اہل حق سے اختلاف کرنے والا (مطلقاً) کافر ہے (اس لئے کہ وہ حق کا مخالف ہے)۔

۳:.....استاد رحمہ اللہ کا قول ہے کہ: جو ہمیں (یعنی اہل حق کو) کافر کہے گا، ہم بھی اس کو کافر کہیں گے اور جو ہمیں (اہل حق کو) کافر نہ کہے گا، ہم بھی اس کو کافر نہ کہیں گے (یہ علماً اہل سنت کے تین قول ہیں)۔

معتزلہ کے اقوال:

۱:.....معتزلہ میں سے متقدمین تو یہ کہتے ہیں کہ: جو لوگ بندہ کو اپنے اعمال و افعال میں مجبور، اللہ تعالیٰ کی صفات کو قدیم، اللہ تعالیٰ کو بندہ کے اعمال و افعال کا خالق مانتے ہیں (یعنی اساسی عقائد میں معتزلہ کے مخالف ہیں) ایسے لوگ ہمارے نزدیک کافر ہیں۔

۲:.....لیکن عام معتزلہ کہتے ہیں کہ: جو لوگ اللہ تعالیٰ کی صفات کو (اس کی ذات پر) زائد (الگ) مانتے ہیں، (آخرت میں) اللہ تعالیٰ کے دیدار کے، (گنہگار مسلمانوں

کے) جہنم سے نکلنے کے قائل ہیں اور بندوں کی تمام برائیوں اور بدکرداریوں کو اللہ تعالیٰ کے ارادہ اور مشیت کے تحت داخل اور اللہ تعالیٰ ہی کو ان کا خالق قرار دیتے ہیں (یعنی جملہ عقائد میں معتزلہ کے مخالف ہیں) ایسے تمام لوگ کافر ہیں۔

ائمہ اہل سنت کی دلیل:

ائمہ اہل سنت کی دلیل یہ ہے کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام اور آپؐ کے بعد صحابہؓ و تابعینؒ (اس طرح) عقائد کی چھان بین نہیں کیا کرتے تھے (جیسے معتزلہ کرتے ہیں) بلکہ صرف ”عقائد حقہ“ سے آگاہ کر دیتے تھے (اور توحید و رسالت، حیات بعد الموت وغیرہ اساسی عقائد کے اختیار کر لینے کو مسلمان ہونے کے لئے کافی سمجھتے تھے)۔

اگر اس پر یہ اعتراض کیا جائے کہ: پھر تو مجمع علیہ عقائد کے بارے میں بھی اسی طرح حق کے بیان کر دینے پر اکتفا کرنا چاہئے۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ: مجمع علیہ عقائد و اصول اور ان کے دلائل ان عرب ساربانوں کے معیار فہم کے مطابق (اس قدر) معروف اور ظاہر و واضح تھے (کہ ہر مسلمان ان سے آگاہ و مطمئن ہوتا تھا اور بلاتردد ان کو قبول کر لیتا تھا)۔ بعض علماً اس اعتراض کا جواب یہ دیتے ہیں کہ: (قرون اولیٰ میں) عقائد تفصیلیہ کو اس لئے بیان نہیں کیا جاتا تھا کہ (اس زمانہ میں) اجمالی ایمان(۱) (یعنی تفصیل معلوم کئے بغیر ایمان

---

(۱) حاصل یہ ہے کہ ایک سادہ لوح اور خالی الذہن آدمی کے مسلمان ہونے کے لئے سیدھے سادے اساسی عقائد اسلامیہ اور ان کے دلائل مثلاً توحید، رسالت...... (باقی اگلے صفحہ پر)

لے آنا) کافی تھا (اس لئے کہ عرب عام طور پر عقلی اور نظری موشگافیوں سے ناآشنا ایک سادہ ذہن کی مالک قوم تھی، وہ بلاتردد اور بدون ردّ و قدح کے عقائد حقہ کو قبول کر لیتے تھے) تحقیق و تفصیل کی ضرورت اسی وقت ہوتی ہے جب یہی تحقیق و تفصیل پیشِ نظر ہو (یعنی عقائد باطلہ پہلے سے ذہنوں پر مسلط ہوں تو ان کے ازالہ کے لئے تحقیق و تفصیل اور حق کے خلاف اوہام و شکوک کی تردید کی ضرورت ہوتی ہے) ورنہ تو بے شمار ایسے پکے اور مخلص مؤمن موجود ہیں جو قدیم و حادث کے معنی بھی نہیں جانتے (اور وہ راسخ العقیدہ مؤمن ہیں)۔

یہ بحث تو اپنی جگہ ہے لیکن ایک فرقہ کا دوسرے فرقہ کو کافر کہنا اس قدر معروف ہے کہ اس کے بیان کی حاجت نہیں (لہٰذا بقول استاذؒ جو اہل حق کو کافر کہے گا وہ یقیناً کافر ہے اور ہم اس کو کافر کہیں گے اگرچہ وہ اہل قبلہ میں سے ہو)۔"

(گزشتہ سے پیوستہ) حیات بعد الموت پر ایمان لے آنا کافی ہے، اگرچہ وہ ان کی تحقیق و تفصیل اور دلائل عقلیہ سے واقف نہ ہو، اس کے برعکس ایک ذات و صفات الٰہیہ کے باب میں گم کردۂ راہ انسان کے مسلمان ہونے کے لئے تفصیلی طور پر ان عقائد باطلہ سے تائب ہونا اور ان کے مقابل عقائد حقہ کو قبول کرنا ضروری ہے، عہد نبوت اور قرن اول میں مسلمان ہونے والے عموماً پہلی قسم کے لوگ تھے، اس لئے متفق علیہ اساسی عقائد کی اجمالی تصدیق صحت اسلام کے لئے کافی تھی، لیکن اس عہد کے بعد جب دوسرے مذاہب کے لوگ اسلام میں داخل ہونے لگے تو چونکہ ذات و صفات الٰہیہ اور مبدأ و معاد کے باب میں باطل عقائد پہلے سے ان کے دلوں میں راسخ ہوتے ہیں اس لئے ان کا اسلام ان عقائد باطلہ سے تفصیلی طور پر برأت اور مجمع علیہ عقائد حقہ کو قبول کئے بغیر معتبر نہیں سمجھا جاتا، اس لئے اس زمانہ میں مجمع علیہ عقائد حقہ کے بارے میں محض بیان حق پر اکتفا نہیں کیا جاسکتا۔ مترجم۔

ضروریاتِ دین اور متفق علیہ عقائد کے منکر اہل قبلہ، متفقہ طور پر کافر ہیں:

علامہ موصوف "مقاصد" کی شرح میں "باب الکفر والایمان" کے ذیل میں ج:۲ ص:۲۶۸ تا ۲۷۰ پر اس کی تشریح اس طرح فرماتے ہیں:

"(اہل قبلہ کے بارے میں) مذکورۂ بالا بحث کا تعلق صرف ان لوگوں سے ہے جو ضروریاتِ دین مثلاً (توحید، نبوت، ختم نبوت، وحی و الہام) حدوث عالم اور حشر جسمانی وغیرہ مجمع علیہ عقائد حقہ میں تو اہل حق کے ساتھ متفق ہوں، لیکن ان کے علاوہ اور نظری عقائد و اصول میں اہل حق کے مخالف ہوں، مثلاً صفاتِ الٰہیہ، خلق اعمال، ارادۂ الٰہی کا خیر و شر دونوں کے لئے عام ہونا، کلام الٰہی کا قدیم ہونا، رؤیت باری تعالیٰ کا ممکن ہونا، ان کے علاوہ وہ تمام نظری عقائد و مسائل جن میں حق یقیناً ایک ہے (اثبات یا نفی) ایسے مخالفینِ حق کے بارے میں بحث ہے کہ ان عقائد کا معتقد اور قائل ہونے (یا نہ ہونے) کی بنا پر کسی اہل قبلہ (مسلمان) کو کافر کہا جائے یا نہیں؟ ورنہ اس میں تو کوئی اختلاف ہی نہیں کہ وہ اہلِ قبلہ (مسلمان کہلانے والے) جو عمر بھر روزہ، نماز وغیرہ تمام عبادات و احکام کا پابند رہا ہو لیکن عالم کو قدیم (ازلی ابدی) مانتا ہو، یا جسمانی حیات بعد الموت کا انکار کرتا ہو، یا اللہ تعالیٰ کو جزئیات (ہر ہر چیز) کا عالم نہ مانتا ہو وہ (قبلہ کی طرف نماز پڑھنے کے باوجود) بلاشک و شبہ کافر ہے، اسی طرح کوئی اور کفریہ قول یا فعل اس سے سرزد ہو تو وہ بھی کافر

ہے۔"

"لَا نُكَفِّرُ اَهْلَ الْقِبْلَةِ" کس کا مسلک ہے؟

اہل حق کا یہ مذکورہ بالا قول (کہ جب تک اہل قبلہ میں سے کوئی شخص ضروریاتِ دین کا انکار نہ کرے اسے کافر نہ کہا جائے) یہ شیخ ابوالحسن اشعریؒ اور بیشتر اشاعرہ کا مذہب ہے، امام شافعیؒ کے مذکورہ ذیل قول سے بھی یہی مترشح ہوتا ہے، وہ فرماتے ہیں:

"میں بجز خطّابیہ کے اور باقی گمراہ فرقہ والوں کی شہادت رد نہیں کرتا (یعنی کافر نہیں سمجھتا) اس لئے کہ یہ خطابیہ جھوٹ بولنے کو حلال سمجھتے ہیں۔"

"منتقی" میں امام ابوحنیفہؒ کے متعلق بھی یہی نقل کیا ہے کہ: "امام ابوحنیفہؒ نے کسی اہل قبلہ کو کافر نہیں کہا۔" یہی اکثر و بیشتر فقہاً حنفیہ کا مسلک ہے، ہاں بعض فقہاً حنفیہ ہر اہل حق کے مخالف کو کافر کہتے ہیں۔

اہل قبلہ کون ہیں؟

ملا علی قاریؒ "شرح فقہ اکبر" ص:۱۸۵ میں فرماتے ہیں:

"یاد رکھو! اہل قبلہ وہی لوگ ہیں جو ضروریات و مہماتِ دین مثلاً: حدوث عالم، حشر جسمانی، ہر ہر کلی و جزئی پر علم الٰہی کے محیط ہونے، اور اسی قسم کے اہم اور بنیادی مسائل میں اہل حق کے ساتھ متفق ہوں، چنانچہ جو شخص تمام عمر شرعی احکام و عبادات کی پابندی کرتا رہے، مگر عالم کو قدیم مانتا ہو، یا حشر جسمانی کا انکار کرتا ہو، یا اللہ تعالیٰ کو جزئیات کا عالم نہ مانتا ہو، وہ ہرگز اہل قبلہ میں سے نہیں ہے (وہ تو بدون اختلاف سب

کے نزدیک کافر ہے) نیز علماً اہل سنت کے نزدیک کسی اہل قبلہ کو کافر نہ کہنے کا مطلب یہی ہے کہ کسی اہل قبلہ کو اس وقت تک کافر نہ کہا جائے جب تک کہ اس میں کوئی کفر کی علامت یعنی کوئی کفریہ قول یا فعل نہ پایا جائے، اور کوئی موجب کفر امر اس سے سرزد نہ ہو (گویا کسی مسلمان سے اگر کوئی بھی کفریہ قول یا فعل سرزد ہو، یا اس میں کوئی بھی علامت کفر پائی جائے تو وہ اہل قبلہ سے خارج اور کافر ہوجاتا ہے، اگرچہ وہ خود کو مسلمان کہتا رہے اور مسلمانوں کی طرح عبادات و احکام شریعت کا پابند بھی ہو)۔"

غالی بہرصورت کافر ہے:

ملا عبدالعزیز البخاریؒ "تحقیق شرح اصول حسامی" میں بحث اجماع کے تحت ص:۲۰۸ پر "اِنْ غَلا فیه" (ای فی هواه) کے ذیل میں فرماتے ہیں:

"اگر کسی گمراہ فرقہ والے نے اپنے باطل عقیدہ میں غلو کو اختیار کیا اور حد سے تجاوز کرگیا تو اس کو کافر قرار دینا ضروری ہے، ایسی صورت میں اہل حق کے ساتھ اس کی موافقت یا مخالفت کا بھی اعتبار نہ ہوگا، اس لئے کہ وہ امت مسلمہ (مسلمانوں) میں داخل ہی نہیں رہا جس کو جان و مال کی امان حاصل ہے، اگرچہ وہ قبلہ کی طرف منہ کرکے نماز پڑھتا رہے اور خود کو مسلمان سمجھتا رہے، اس لئے کہ امت مسلمہ (مسلمان) ہر قبلہ کی طرف منہ کرکے نماز پڑھنے والے کا نام نہیں ہے، بلکہ مسلمان وہ شخص ہے جس کا پورے دین اسلام اور عقائد یقینیہ و

احکام قطعیہ پر ایمان ہو، یہ شخص یقیناً کافر ہے اگرچہ وہ خود کو کافر نہ سمجھے۔"

مصنف رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "کشف" شرح "بزدوی" ج:۳ ص:۲۳۸ میں اجماع کے تحت اور آمدی کی کتاب "الاحکام" ج:۱ ص:۳۲۶ میں "مسئلہ سادسہ" کے تحت بعینہٖ یہی تحقیق مذکور ہے۔

علامہ شامیؒ "رد المحتار" ج:۱ ص:۳۷۷، طبع جدید ۱۳۲۴ھ ص:۵۲۴ میں مسئلہ "امامت" کے تحت اور ج:۱ ص:۶۲۲ مسئلہ "انکار وتر" کے تحت فرماتے ہیں:

"اس شخص کے کافر ہونے میں کوئی اختلاف نہیں جو ضروریات اسلام (دین کے یقینی اور قطعی عقائد و احکام) کا مخالف ہو، اگرچہ وہ اہل قبلہ میں سے ہو اور ساری عمر عبادات و طاعات کا پابند رہا ہو، جیسا کہ (شیخ ابن ہمامؒ نے) "شرح تحریر" میں بیان کیا ہے۔"

اس کے بعد ج:۱ ص:۵۲۵ پر فرماتے ہیں:

"(صاحب البحر الرائق) نے فرمایا کہ حاصل یہ ہے کہ حنفیہ کے اس قول کی مراد کہ: "کسی اہل حق کے مخالف شخص یا فرقہ کو کافر نہ کہا جائے" یہ ہے کہ وہ شخص یا فرقہ، ان مسلّمہ اصولوں کا مخالف نہ ہو، جن کا دین ہونا معروف اور یقینی ہے، اس کو اچھی طرح سمجھ لو۔"

موجب کفر عقائد و اعمال اور اہل قبلہ کو کافر کہنے کا مطلب:

"شرح عقائد نسفی" کی شرح "نبراس" کے مصنف ص:۵۷۲ پر لکھتے ہیں:

"متکلمین کی اصطلاح میں "اہل قبلہ" وہی لوگ ہیں

جو تمام ضروریاتِ دین یعنی ان تمام عقائد و احکام کو مانتے ہوں جن کا ثبوت شریعت میں یقینی اور معروف و مشہور ہے، لہٰذا جو شخص ضروریاتِ دین میں سے کسی ایک چیز کا بھی منکر ہو، مثلاً: عالم کو حادث نہ مانے، یا جسمانی حیات بعد الموت کا قائل نہ ہو، یا اللہ تعالیٰ کے عالم جزئیات ہونے کا منکر ہو، یا نماز، روزہ کے فرض ہونے کا انکار کرتا ہو، وہ اہل قبلہ میں سے ہرگز نہیں، اگرچہ تمام تر عبادات و احکام شرعیہ کا سختی سے پابند ہو، اسی طرح جس شخص میں کوئی بھی علامت کفر پائی جائے مثلاً: کسی بت (وغیرہ) کو سجدہ کرے، یا کسی امر شرعی کی توہین کرے اور مذاق اڑائے، وہ بھی اہل قبلہ میں سے ہرگز نہیں ہے، اہل قبلہ کو کافر نہ کہنے کے معنی صرف یہ ہیں کہ کسی مسلمان کو معاصی اور گناہوں کے ارتکاب کرنے، یا غیر معروف نظری مسائل کا انکار کرنے پر کافر نہ کہا جائے، یہی محققین کی تحقیق ہے اس کو خوب اچھی طرح یاد رکھو۔"

ضروریاتِ دین کا منکر کافر اور واجب القتل ہے:

"جوہرۃ التوحید" کا ایک شعر ہے (حاشیۂ بیجوری علیٰ جوہرۃ التوحید ص:۱۰۳):

ومن لمعلوم ضروری جحد
من دیننا یقتل کفرًا لیس حد

ترجمہ:...."جس شخص نے ہمارے دین کے کسی بھی یقینی امر کا انکار کیا ہو، وہ کفر کی بنا پر قتل کردیا جائے گا، نہ کہ حد

"کے طور پر۔"

(اس لئے کہ حد تو مسلمان پر جاری ہوتی ہے اور یہ شخص کافر ہے، لہٰذا اس کو دوسرے کافروں کی طرح بر بنائے کفر قتل کیا جائے گا) "جوہرہ" کے شارح اس شعر کی شرح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"اس منکر کا کفر تو یقینی اور متفق علیہ ہے، نیز فرماتے ہیں کہ "ماتریدیہ" تو کسی بھی قطعی امر کے منکر کو کافر کہتے ہیں اگرچہ وہ ضروری الثبوت (یعنی متواتر یا مجمع علیہ) نہ بھی ہو۔"

اجماعِ صحابہ حجتِ قطعی ہے اور اس کا انکار کفر ہے:

مصنف رحمہ اللہ فرماتے ہیں: تمام حنفی علمائے اصول اس پر متفق ہیں کہ جس امر پر صحابہؓ کا اجماع ہو چکا ہے اس کا انکار کفر ہے، اس لئے کہ وہ اس "اجماعِ صحابہ" کو کتاب اللہ کے مرتبہ میں رکھتے ہیں، چنانچہ حافظ ابن تیمیہؒ بھی "اقامۃ الدلیل" ج:۳ ص:۱۳۰ میں فرماتے ہیں:

"صحابہ کرامؓ کا اجماع قطعی حجت ہے اور اس کا اتباع فرض ہے، بلکہ یہ تو سب سے قوی حجت اور دوسرے تمام دلائل پر مقدم ہے، اگرچہ اس کے اثبات اور تحقیق کا یہ مقام نہیں، تاہم یہ اپنی جگہ نہ صرف تمام فقہاؒ کے ہاں مسلّم ہے، بلکہ ان تمام مسلمانوں کے نزدیک مسلّم ہے جو حقیقت میں مؤمن ہیں، اس کی مخالفت صرف انہی گمراہ فرقوں نے کی ہے جن کو ان کے گمراہ عقائد کی بنا پر کافر یا فاسق قرار دیا گیا ہے، نہ صرف یہ بلکہ وہ ان فاسد عقائد کے ساتھ ساتھ ایسے کبیرہ گناہوں کے بھی مرتکب ہوئے ہیں جو ان کے فسق کو ضروری قرار دیتے ہیں۔"

مصنف علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ: لیکن یہ بھی احتمال ہے کہ ان کے نزدیک بھی اجماعِ صحابہ حجت ہو، جیسا کہ تفسیر "روح المعانی" ج:۱ ص:۱۲۷ میں آیت کریمہ: "اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا سَوَآءٌ عَلَيْهِمْ" کی تفسیر میں اس کی جانب اشارہ کیا ہے۔ نیز فرماتے ہیں کہ: محقق ابن امیر الحاج نے جو شیخ ابن ہمامؒ اور حافظ ابن حجرؒ دونوں کے شاگرد رشید ہیں "تحریر" کی شرح میں مسئلہ "تقسیم خطا" کے ذیل میں اجماعِ صحابہ کے حجت قطعی ہونے کو نہایت شرح و بسط کے ساتھ بیان کیا ہے، اسی طرح علامہ تفتازانیؒ نے "تلویح" میں حکم اجماع کے ذیل میں اس مسئلہ کی تصریح فرمائی ہے۔

کفریہ عقائد و اعمال:

"شرح التحریر" ج:۳ ص:۳۱۸ میں محقق ابن امیر الحاج کی عبارت حسب ذیل ہے:

"اہل قبلہ میں سے وہ مبتدع (گمراہ) جس کو اس کی بدعت (گمراہی) کی بنا پر کافر نہیں کہا جاتا اور کبھی کبھی اس کو گنہگار اہل قبلہ کے لفظ سے تعبیر کر دیا جاتا ہے، جیسا کہ مصنف (شیخ ابن ہمامؒ) نے اس سے قبل: "وللنهي عن تكفير اهل القبلة." کے ذیل میں اشارہ فرمایا ہے، اس سے صرف وہی شخص مراد ہے، جو ضروریاتِ دین میں تو اہل حق سے متفق ہو، مثلاً: حدوثِ عالم اور حشر جسمانی کا قائل ہو اور کوئی اور کفریہ قول یا فعل بھی اس سے سرزد نہ ہوا ہو، مثلاً: اللہ کے سوا کسی کو معبود ماننا، یا کسی انسان میں اللہ تعالیٰ کے حلول کا قائل ہونا (یعنی کسی کو خدا کا "اوتار" ماننا)، یا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا انکار کرنا، یا آپؐ کی مذمت یا توہین کرنا اور اسی قسم کی کفریہ باتوں کا

قائل ہونا، لیکن ان کے علاوہ اور ایسے نظری مسائل میں اہل حق کا مخالف ہو، جن میں متفقہ طور پر حق ایک جانب ہے (اثبات یا نفی) مثلاً صفات الٰہیہ، خلق افعال عباد، ارادۂ الٰہی کا خیر و شر دونوں کے لئے عام ہونا، کلام الٰہی کا قدیم ہونا وغیرہ (تو ان مسائل میں اختلاف کرنے والے کو کافر نہیں کہا جاسکتا۔ غرض جو اصولی عقائد و اعمال میں اہل حق سے متفق ہو اور فروعی مسائل میں مخالف ہو، صرف اس شخص کو کافر نہیں کہا جاسکتا ہے) اور غالباً مصنف علیہ الرحمۃ (شیخ ابن ہمامؒ) نے اس سے قبل اپنے مذکورہ ذیل قول سے اسی کی طرف اشارہ کیا ہے: ''اس لئے کہ یہ مبتدع بھی قرآن، حدیث یا عقل سے ہی اپنے عقائد پر استدلال کرتا ہے۔'' ورنہ ضروریاتِ دین میں مخالفت کرنے والے کو کافر کہنے کے بارے میں تو اہل حق میں کوئی اختلاف ہے ہی نہیں، مثلاً حدوثِ عالم یا حشر جسمانی، یا اللہ تعالیٰ کا علم جزئیات وغیرہ یہ تو وہ بنیادی مسائل ہیں کہ ان کا انکار کرنے والا یقیناً کافر ہے، اگرچہ وہ اہل قبلہ میں سے ہو اور ساری عمر عبادات و طاعات اور احکام شرعیہ پر کاربند رہا ہو، اسی طرح وہ شخص بھی بغیر کسی اختلاف کے کافر ہونا چاہئے جو کسی بھی موجب کفر قول یا فعل کا مرتکب ہو، ایسی صورت میں ''خطابیہ'' (کہ جن کا عقیدہ ہے کہ جھوٹ بولنا حلال اور جائز ہے) کو بھیؒ ان وجوہ کی بنا پر کافر کہنا چاہئے جن کو ہم ''شرائط راوی'' کے ذیل میں بیان کرچکے ہیں۔ اس تحقیق سے یہ بھی واضح ہوگیا کہ: ''کسی گناہ کی وجہ سے اہل قبلہ کی تکفیر کی ممانعت کا ضابطہ بھی عام نہیں ہے،

الّا یہ کہ گناہ سے وہ گناہ مراد لیا جائے جو کفر نہ ہو، تو وہ شخص جس کی تکفیر کسی موجب کفر گناہ کی وجہ سے کی جائے وہ تو ضرور اس ضابطہ سے خارج ہوگا (اور اس کو کافر کہا جائے گا) جیسا کہ شیخ تقی الدین سبکیؒ نے اس جانب اشارہ کیا ہے۔''

حضرت مصنف رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اس کے بعد محقق ابن امیر الحاج نے سبکیؒ کا قول نقل کیا ہے جو ہماری اس تحقیق کے لئے قطعاً مضر نہیں ہے، اس لئے کہ شیخ سبکیؒ اس شخص کے بارے میں بحث کر رہے ہیں جو زبان سے کلمہ کفر بک دینے کے بعد کلمہ شہادت پڑھ لے (کہ یہ شخص کافر نہیں ہے) اور وہ اس شخص کو اُس مسلمان کی مانند قرار دیتے ہیں جو مرتد ہوجانے کے بعد اسلام لے آئے، تاہم محقق موصوف اس کو بھی محل نظر قرار دیتے ہیں اور اس شخص کے مسلمان ہونے کے لئے بھی اس کلمہ کفر سے توبہ اور اظہار برأت کو ضروری قرار دیتے ہیں جو اس نے زبان سے نکالا تھا، یہ شرط سبکیؒ کے کلام میں بھی ملحوظ ہے، لہٰذا محقق موصوف اور شیخ سبکیؒ کے درمیان کوئی اختلاف نہ رہا۔ (۱)

(۱) اور دونوں بزرگوں کے نزدیک ضروریاتِ دین کا انکار یا موجبات کفر کا ارتکاب کرنے والا شخص قطعاً کافر ہے، اگرچہ وہ اہل قبلہ میں سے ہو اور خود کو مسلمان کہتا ہو احکام شرعیہ و عبادات پر کاربند بھی ہو، نیز یہ ثابت ہوا کہ ضروریات دین میں سے کسی ایک کا انکار یا موجبات کفر کا ارتکاب اس کو اہل قبلہ سے خارج کردیتا ہے، نیز یہ کہ اہل قبلہ ہونے کے معنی ''قبلہ کی طرف منہ کرکے نماز پڑھنے والے'' سمجھنا ناواقفیت کی دلیل ہے، درحقیقت اہل حق نے کسی شخص کے شرعاً مؤمن ہونے کے لئے یہ عنوان بطور اصطلاح اختیار کیا ہے اور یہ اصطلاح بھی جیسا کہ عنقریب معلوم ہوجائے گا: ''ما صلوا صلوتنا واستقبلوا قبلتنا'' سے ماخوذ اور صاحب شریعت علیہ السلام سے ثابت ہے۔ مترجم۔

دین کے اساسی عقائد اور قطعی احکام کی مخالفت شریعت کی بیخ کنی کے مرادف اور موجب کفر ہے:

محقق محمد بن ابراہیم وزیر یمانی اپنی کتاب ''ایثار الحق'' کے ص:۴۱۳ پر فرماتے ہیں:

''دوسری فرع یہ ہے کہ ''معمولی سا اختلاف'' مسلمانوں میں باہمی خصومت و عداوت کا موجب نہ ہونا چاہئے، اور یہ معمولی سا اختلاف وہ ہوتا ہے جو دین کے ان اساسی اور قطعی امور میں نہ ہو جن سے اختلاف کرنے والے کی تکفیر پر شرعی دلائل قائم ہو چکے ہیں (بلکہ ان فرعی اور نظری مسائل میں اختلاف ہو جن کا دین ہونا قطعی اور مجمع علیہ نہیں ہے)۔''

یہی محقق کتاب مذکورہ کے ص:۴۴۵ پر فرماتے ہیں:

''جیسے ان ملحدوں اور زندیقوں کا کفر جنہوں نے کتاب اللہ عز وجل کی تمامتر آیات کی ایسے باطنی امور سے تاویلیں کرکے قرآن کو ایک کھیل بنالیا ہے، جن میں سے نہ کسی کی کوئی دلیل ہے، نہ کوئی علامت، نہ ہی سلف صالحین کے عہد میں ان باطنی معانی کی جانب کوئی اشارہ (یعنی قرآن کریم کے الفاظ (۱) کے من مانے معانی اور مرادیں گھڑتے ہیں) اسی زمرہ میں وہ تمام اشخاص اور فرقے بھی داخل ہیں جو شریعت الٰہیہ کا

(۱) مثلاً کہتے ہیں کہ قرآن میں جہاں جہاں اللہ کا لفظ آیا ہے اس سے مراد ''امام وقت'' ہے، ایسے ہی آج کل ہمارے زمانہ کا ایک زندیق غلام احمد پرویز کہتا ہے کہ اللہ سے مراد ''مرکزِ ملت'' ہے، اور کہیں کہتا ہے کہ اللہ سے مراد وہ ''صفات علیا'' ہیں جو انسان کو اپنے اندر پیدا کرنی چاہئیں۔ از مترجم۔

نام و نشان مٹا دینے اور ان تمام یقینی اور قطعی علوم کو رد کرنے میں ان زندیقوں اور ملحدوں کے نقش قدم پر گامزن ہیں جن کو ہمیشہ سے امت مسلمہ کے پچھلے لوگ اپنے پہلے بزرگوں سے سنتے سناتے اور نقل کرتے چلے آتے ہیں۔''

یہی محقق کتاب مذکور کے ص:۱۶۸ پر فرماتے ہیں:

''پس یاد رکھو کہ ''اجماع'' دو قسم کا ہوتا ہے، ایک وہ اجماع جس کی صحت قطعی اور یقینی طور پر دین سے اس طرح ثابت ہو کہ اس سے مخالفت کرنے والے کو کافر کہا جائے، یہی وہ صحیح اور حقیقی اجماع ہے جو قطعاً اور یقیناً دین ہونے کی بنا پر بحث سے بالاتر ہے (یعنی اس اجماع کا حجت ہونا محتاج بحث ہی نہیں)۔''

مسئلہ ممانعت تکفیر اہل قبلہ کا اصل ماخذ اور حقیقت:

مصنف نور اللہ مرقدہ فرماتے ہیں کہ: یاد رکھو اہل قبلہ کو کافر کہنے کی ممانعت کے زیر بحث مسئلہ کا اصل ماخذ ''سنن ابو داؤد'' باب الجہاد ج:۱ ص:۳۴۳ کی ایک حدیث ہے، جس میں حضرت انس رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

''تین چیزیں اصل ایمان ہیں: (۱) لا الٰہ الا اللہ کہنے والے (کے جان و مال) پر دست درازی نہ کرنا۔ (۲) کسی ''گناہ'' کا ارتکاب کرنے کی بنا پر اس کو کافر نہ کہنا۔ (۳) کسی عمل کی وجہ سے اس کو اسلام سے خارج نہ کرنا۔''

اس حدیث میں شریعت کے عرف کے مطابق ''گناہ'' سے یقیناً وہ گناہ مراد

ہے جو کفر نہ ہو اور بالکل اسی طرح یہ جملہ امام ابوحنیفہؒ وغیرہ سے مثلاً امام شافعیؒ سے "الیواقیت" میں منقول ہے، اور سفیان بن عُیینہ سے حُمیدی نے اپنی مسند کے آخر میں نقل کیا ہے، اور ان کے علاوہ ائمہ دین کی تعبیرات و اقوال میں "گناہ" کی قید کے ساتھ وارد ہوا ہے (یعنی جس طرح حدیث میں: "لا یکفرہ بذنب" آیا ہے، اسی طرح یہ ائمہ بھی: "لا نکفر اھل القبلۃ بذنب." فرماتے ہیں) جیسا کہ "الیواقیت والجواہر" میں ج:۲ ص:۱۲۳ پر امام شافعیؒ سے منقول ہے، لیکن مرورِ ایام کے بعد کچھ ظاہر پرستوں، کچھ جاہلوں اور کچھ ملحدوں نے ان ائمہ کے اقوال میں سے "گناہ" کی قید کو اڑا دیا (اور "لا نکفر اھل القبلۃ" رہنے دیا) اور ان ائمہ کے اقوال کو بے محل استعمال کرنے لگے (کہ ان ائمہ کے نزدیک کسی بھی اہل قبلہ کی تکفیر جائز نہیں، ظاہر ہے کہ یہ کھلی ہوئی تحریف اور ان ائمہ پر بہتان ہے)۔

ممانعت تکفیر اہل قبلہ کا تعلق حکمرانوں سے ہے:

مصنف رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ: ممانعت تکفیر اہل قبلہ کا تعلق دراصل امراً اور حکمرانوں سے ہے (یعنی یہ مقولہ دراصل حکمرانوں کے حق میں ہے)، چنانچہ حضرت انسؓ کی مذکورہ بالا روایت اور اسی قسم کی دوسری روایتیں دراصل امیر اور حکمرانوں کی اطاعت کے وجوب اور جب تک وہ نماز پڑھتے رہیں ان کے خلاف بغاوت کی ممانعت کے سلسلے میں وارد ہوئی ہیں، چنانچہ امام مسلمؒ نے "صحیح مسلم" میں (ج:۲ ص:۱۲۵) ان تمام روایات کی تخریج اسی باب کے ذیل میں کی ہے اور ان تمام روایات میں خواہ "صحیح مسلم" میں ہوں، خواہ دوسری کتب حدیث میں، مذکورہ ذیل استثنا موجود ہے، جیسا کہ صحیح بخاری میں ہے:

"الّا ان تروا کفرًا بواحا عندکم من اللہ فیہ برھان." (صحیح بخاری ج:۲ ص:۱۰۴۵ کتاب الفتن)

ترجمہ:..... "الّا یہ کہ تم (ان امراً کے قول و فعل میں) ایسا کھلا ہوا کفر دیکھو کہ اس کے کفر ہونے پر تمہارے پاس اللہ کی جانب سے دلیل و برہان موجود ہو۔"

اور یہی مراد حضرت انس رضی اللہ عنہ کی مذکورہ ذیل روایت کی بھی ہے، جس کی تخریج امام بخاریؒ وغیرہ نے کی ہے:

"من شھد ان لا الٰہ الا اللہ واستقبل قبلتنا وصلّی صلٰوتنا واکل ذبیحتنا فھو مسلم، لہ ما للمسلم وعلیہ ما علی المسلم." (صحیح بخاری ج:۱ ص:۵۶)

ترجمہ:..... "جس نے لا الٰہ الا اللہ کی شہادت دی، اور ہمارے قبلہ کی طرف منہ کیا، اور ہماری نماز کی طرح نماز پڑھی، اور ہمارے ذبیحہ کو (حلال جانا اور) کھالیا وہ مسلمان ہے، اس کے وہی تمام حقوق ہیں جو ایک مسلمان کے ہیں، اور اس پر وہی تمام ذمہ داریاں ہیں، جو ایک مسلمان پر ہوتی ہیں (یعنی ایسا حکمران جو ان تمام شعائر اسلام کو مانتا اور کرتا ہو وہ مسلمان ہے اس کی اطاعت واجب اور اس کے خلاف بغاوت ممنوع ہے)۔"

مصنف علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان: "الّا ان تروا کفرًا بواحا عندکم من اللہ فیہ برھان" ثابت کرتا ہے کہ یہ دیکھنا (اور فیصلہ کرنا) دیکھنے والوں کا کام ہے، ان کو اپنے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان دیکھ لینا چاہئے کہ یہ کھلا ہوا کفر ہے، یا نہیں؟ باقی اس شخص کو اس طرح قائل کرنا ان پر واجب نہیں کہ وہ کوئی جواب ہی نہ دے سکے، اور (اپنے قول و فعل کی) کوئی تاویل ہی نہ کر سکے، بلکہ ان پر صرف اتنا واجب ہے کہ خود ان کے پاس اُس کے کفر پر اللہ تعالیٰ

کی جانب سے دلیل و برہان موجود ہو۔

کفر صریح میں کوئی تاویل مسموع نہیں ہوتی:

اس لئے کہ ''طبرانی'' کی روایت میں اس حدیث میں ''کفرا بواحا'' کے بجائے ''کفرًا صُرَاحا'' (''ص'' مضموم اور ''ر'' مفتوح کے ساتھ) آیا ہے (جس کے معنی ہیں صریح کفر)، جیسا کہ حافظ ابن حجرؒ نے ''فتح الباری'' شرح البخاری ج:۱۳ ص:۶ میں نقل کیا ہے، اس سے ثابت ہوا کہ کفر صریح میں کوئی تاویل مسموع نہیں ہوتی۔

کون سی تاویل باطل اور غیر مسموع ہے؟

شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ (۱) نے ''ازالۃ الخفا'' کے ص:۷ پر خلیفہ کے خلاف بغاوت کے جواز اور ضروریاتِ دین کا انکار کرنے کی وجہ سے اس کے کافر ہوجانے کے بارے میں مزید وضاحت فرمائی ہے، وہ فرماتے ہیں کہ: ''تاویل کے قطعی طور پر باطل ہونے کا مدار اس پر ہے کہ وہ تاویل قرآن کریم کی صریح آیت، یا حدیث مشہور، یا اجماع، یا قیاسِ جلی (واضح قیاس) کے خلاف ہو۔'' (یعنی ہر وہ تاویل جو قرآن، حدیثِ مشہور، اجماعِ امت یا واضح قیاس کے مخالف ہو قطعاً نہیں مانی جائے گی)۔

خبرِ واحد کی مخالفت کی بنا پر بھی تکفیر جائز ہے:

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ ''فتح الباری'' میں ''عندکم من اللہ فیه برهان.'' کے ذیل میں فرماتے ہیں:

''ای نصّ آیۃ او خبرٌ صحیحٌ لا یحتمل التاویل.''

(فتح الباری ج:۱۳ ص:۶ کتاب الفتن)

(۱) یہ حاشیہ کی عبارت کا ترجمہ ہے۔

ترجمہ:...... ''یعنی صریح دلیل ہو خواہ (کلام اللہ کی) کوئی آیت ہو یا ایسی صحیح حدیث جس میں تاویل کا احتمال نہ ہو۔''

اس سے ثابت ہوا کہ خبر واحد صحیح کی بنا پر بھی تکفیر جائز ہے، اگرچہ مشہور یا متواتر نہ ہو، اور ہونا بھی یہی چاہئے اس لئے کہ جب فقہاؒ کی شمار کردہ وجوہ کی بنا پر تکفیر کی جاتی ہے تو کیا ایسی صحیح حدیث کی بنا پر جس میں کسی تاویل کی گنجائش نہ ہو ان کو کافر نہ کہا جائے گا؟

صریح کفر کے مرتکب اہل قبلہ کو کافر کہا جائے گا اگرچہ وہ قبلہ سے منحرف نہ ہوں اور اسلام سے خارج ہونے کا قصد بھی نہ کریں:

اس حدیث سے یہ بھی ثابت ہوگیا کہ اہل قبلہ کو کافر کہا جاسکتا ہے (جب کہ وہ کفر صریح کے مرتکب ہوں) اگرچہ وہ قبلہ سے منحرف نہ بھی ہوں، نیز یہ بھی ثابت ہوگیا کہ بسااوقات قصداً کفر اختیار کئے بغیر اور تبدیل مذہب کا ارادہ کئے بغیر بھی انسان کافر ہوجاتا ہے (یعنی اگرچہ انسان خود کو مسلمان سمجھتا رہے تب بھی کفریہ قول یا فعل کا ارتکاب کرنے کی وجہ سے کافر ہوجاتا ہے) اگر ایسا نہ ہوتا تو مذکورہ بالا حدیث میں: ''مشاہدہ کرنے والوں کے پاس دلیل و برہان کے موجود ہونے کی ضرورت نہ ہوتی'' (بلکہ ان لوگوں کے قصد و ارادہ پر مدار ہوتا) اور ایسے مستحق تکفیر لوگ ہم ہی میں سے (یعنی مسلمانوں میں سے ہی) ہوتے ہیں، جیسا کہ صحیح بخاری کی ایک دوسری حدیث کے الفاظ ظاہر کرتے ہیں:

''نعم دعاۃٌ علیٰ ابواب جهنم مَن اجابهم الیها قذفوه فیها ...... هم من جلدتنا ویتکلمون بالسنتنا.''

(صحیح بخاری ج:۲ ص:۱۰۴۹ باب ''کیف الامر اذا لم تکن جماعۃ.'')

ترجمہ:...... "وہ حق بات زبان سے کہتے ہوں گے، قرآن پڑھتے ہوں گے اس کے باوجود وہ اسلام سے نکل جائیں گے اور ان کو اسلام سے کوئی علاقہ باقی نہ رہے گا۔"

قرآن کی مراد کے خلاف باطل تاویلیں اور حرام کو حلال قرار دینے والے کافر ہیں:

اس کے بعد طبریؒ فرماتے ہیں: "اور یہ کھلی ہوئی بات ہے کہ یہ خوارج مسلمانوں کے جان و مال کو حلال سمجھنے کے مرتکب صرف ان باطل تاویلات کی بنا پر ہوئے ہیں، جو انہوں نے قرآن کی آیات میں اس کی اصل مراد کے برعکس کر رکھی تھیں، (لہٰذا وہ مسلمانوں کو کافر کہنے اور ان کے جان و مال کو حلال قرار دینے کے مرتکب ہو چکے ہیں، اس لئے وہ خود کافر ہو گئے، اگرچہ اسلام سے نکلنے کا قصد نہ بھی کیا ہو)۔"

اس کے بعد طبریؒ نے اپنے بیان کی تائید میں حضرت ابن عباسؓ کی مذکورہ ذیل روایت بسند صحیح نقل کی ہے:

"وذکر عندہ الخوارج وما یقولون عند قراءة القرآن فقال: یؤمنون بمحکمه ویهلکون عند متشابهه."

ترجمہ:...... "حضرت ابن عباسؓ کے سامنے خوارج کا اور قرأت قرآن کے وقت جو وہ تاویلیں کرتے ہیں ان کا ذکر آیا تو اس پر فرمایا کہ یہ لوگ قرآن کی محکم (واضح) آیات پر تو ایمان لاتے ہیں اور متشابہ (غیر واضح) آیات (کی باطل تاویلات) میں ہلاک ہوتے ہیں۔"

طبریؒ فرماتے ہیں: جو لوگ خوارج کو کافر کہتے ہیں ان کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ حدیث میں ان کے قتل کر دینے کا حکم آیا ہے:

"فاینما لقیتموهم فاقتلوهم فان فی قتلهم اجرٌ لمن قتلهم یوم القیامة." (فتح الباری ج:۱۲ ص:۲۸۸)

ترجمہ:...... "پس جہاں یہ تمہیں ملیں ان کو قتل کر دو، بے شک جو شخص ان کو قتل کرے گا، قیامت کے دن ان کے قتل کرنے کا اجر پائے گا۔"

باوجودیکہ عبداللہ بن مسعودؓ کی روایت میں تصریح آچکی ہے کہ: "کسی بھی مسلمان کو قتل کرنا تین وجوہ میں سے کسی ایک وجہ کے بغیر جائز نہیں، جن میں سے ایک وجہ یہ ہے کہ وہ اپنے دین کو چھوڑ دے اور جماعت المسلمین سے الگ ہو جائے (معلوم ہوا کہ خارجیوں کے قتل کر دینے کا حکم اسی وجہ کے ذیل میں آتا ہے کہ انہوں نے اپنے دین کو چھوڑ دیا اور مسلمانوں سے الگ ہو گئے)۔

چنانچہ امام قرطبیؒ "المفہم" میں فرماتے ہیں:

"خارجیوں کے کافر ہونے کی تائید حدیث ابوسعید خدریؓ کی تمثیل سے بھی ہوتی ہے (جس کے مختلف طرق ص:۲۵۳ اور ۲۶۱ پر مذکور ہیں اور سابقہ حاشیہ میں ہم اس حدیث کو نقل کر چکے ہیں) اس لئے کہ اس تمثیل کا مقصد یہی معلوم ہوتا ہے کہ وہ لوگ اسلام سے اس طرح صاف نکل جائیں گے اور ان کا اسلام سے ایسے ہی کوئی علاقہ باقی نہ رہے گا جیسے تیرانداز کا تیر اپنی تیز رفتاری اور تیرانداز کی قوت کی وجہ سے شکار کے جسم سے صاف نکل جاتا ہے اور اس کا کوئی اثر تیر پر باقی نہیں رہتا، چنانچہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اسی "علاقہ"

کے مطلقاً باقی نہ رہنے کو ان الفاظ سے ظاہر فرمایا ہے (دیکھو حدیث ابوسعید باب ''من ترک قتال الخوارج'' کے ذیل میں):

''سبق الفرث والدم.''

ترجمہ:...... ''وہ تیر شکار کے خون اور لید سے بھی صاف نکل گیا، (یعنی خون وغیرہ تک کا اس پر کوئی اثر نہیں، اسی طرح خوارج اسلام سے نکل جائیں گے کہ اسلام کا نام ونشان تک بھی ان میں نہ رہے گا)۔''

امت کو گمراہ یا صحابہ کو کافر کہنے والا کافر ہے، اسلام سے اس کا کوئی علاقہ نہیں:

چنانچہ قاضی عیاضؒ اسی حدیث کے ذیل میں ''شفا'' کے اندر فرماتے ہیں:

''اسی طرح ہم ہر اس شخص کے کافر اور اسلام سے خارج وبے تعلق ہونے کا قطعی یقین رکھتے ہیں جو کوئی ایسی بات کہے جس سے امت کی تضلیل یا صحابہؓ کی تکفیر ہوتی ہو۔''

مصنف ''الروضۃ'' نے کتاب ''الردۃ'' میں قاضی عیاضؒ کے اس قول کو نقل کیا ہے اور اس کی تائید بھی کی ہے۔

خوارج کے متعلق علمائے کلام کی احتیاط کوشی:

حافظ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''اہل سنت میں سے علمائے کلام (متکلمین) عام طور پر خارجیوں کو ''فاسق'' کہتے ہیں (کافر نہیں کہتے) اور یہ کہ کلمہ شہادت پڑھ لینے اور ارکان اسلام کی پابندی کرنے کی وجہ سے (وہ مسلمان ہیں اور) ان پر اسلام کے احکام جاری ہیں۔ فاسق

بھی صرف اس وجہ سے ہیں کہ انہوں نے ایک باطل تاویل کی بنا پر اپنے سوا تمام مسلمانوں کو کافر قرار دے دیا اور ان کا یہ باطل عقیدہ ہی اپنے مخالفین کے جان ومال کو حلال اور مباح سمجھ لینے اور ان پر کفر وشرک کی شہادت دے دینے کا موجب ہوا ہے۔''

خطابی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''علمائے اسلام کا اس پر اجماع ہے کہ خارجی اپنی مشہور ومعروف گمراہی کے باوجود مسلمان فرقوں میں سے ایک فرقہ ہے، اور ان سے شادی بیاہ کرنے اور ان کا ذبیحہ کھانے کو وہ جائز کہتے ہیں اور یہ کہ جب تک وہ اصل اسلام (یعنی توحید ورسالت، حیات بعد الموت کے عقیدہ) پر قائم ہیں اس وقت تک کافر نہ کہا جائے گا۔''

قاضی عیاض رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''ایسا محسوس ہوتا ہے کہ یہ (تکفیر خوارج کا) مسئلہ متکلمین کے لئے سب سے زیادہ اشکال کا موجب بن گیا ہے، چنانچہ فقیہ عبدالحق نے جب امام ابوالمعالی سے اس مسئلہ کو دریافت کیا تو انہوں نے یہ کہہ کر جواب دینے سے معذرت ظاہر کی کہ: کسی کافر کو اسلام میں داخل کردینا (اور مسلمان کہہ دینا) اور کسی مسلمان کو اسلام سے خارج کردینا (اور کافر کہہ دینا) دینی اعتبار سے بڑی ذمہ داری کا کام ہے۔''

نیز قاضی عیاضؒ فرماتے ہیں:

''ابوالمعالی سے پہلے قاضی ابوبکر باقلانی نے بھی اس مسئلہ میں توقف کیا ہے اور اس کی وجہ یہ بتلائی ہے کہ: ان خوارج

نے صراحتاً تو کفر کا ارتکاب نہیں کیا، ہاں! ایسے عقائد ضرور اختیار کئے ہیں جو کفر تک پہنچا دینے والے ہیں۔"

امام غزالی رحمہ اللہ "فیصل التفرقة بین الایمان والزندقة" میں فرماتے ہیں:

"جہاں تک ہو سکے کسی کو کافر کہنے سے احتراز کرنا چاہئے، اس لئے کہ توحید کا اقرار کرنے والے نمازیوں کی جان و مال کو مباح (اور ان کو کافر) قرار دے دینا بہت بڑی غلطی ہے اور ہزار ہا کافروں کو (مسلمان کہہ دینے اور ان کو) زندہ سلامت چھوڑ دینے میں غلطی کرنا، ایک مسلمان کو (کافر کہہ دینے اور اس کا) خون بہانے میں غلطی کرنے کے مقابلہ میں بہت آسان ہے۔"

مخالفین کے دلائل:

حافظ علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:

"خوارج کی تکفیر نہ کرنے والے علماً ایک دلیل یہ بھی پیش کرتے ہیں کہ تیسری (اور بخاری میں دوسری) حدیث(۱) میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے دین سے نکل جانے کو تیر کے شکار سے نکل جانے کے ساتھ تشبیہ دے کر فرمایا:

"فیتماریٰ فی الفوقة هل علق بها شیء؟"

ترجمہ:...... "پس تیرانداز تیر کے سرے کو شک و شبہ کی نظر سے دیکھتا ہے کہ اس میں کچھ لگا بھی ہے؟ (یا نہیں، یعنی یہ تیر جسم سے نکلا بھی ہے یا نہیں؟ ایسے ہی ان لوگوں کے متعلق

(۱) یہ حدیث ان الفاظ کے ساتھ اس سے قبل حاشیہ میں نقل کی جا چکی ہے۔

شک ہوگا کہ یہ دین سے نکلے بھی ہیں یا نہیں؟)۔"

چنانچہ ابن بطالؒ فرماتے ہیں:

"جمہور علماً کی رائے ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قول: "فیتماریٰ فی الفوقة." سے ثابت ہوتا ہے کہ خارجی مسلمانوں کی جماعت سے خارج (اور کافر) نہیں ہیں، اس لئے کہ "فیتماریٰ" شک کی دلیل ہے، اور جب ان کا کفر مشکوک ہوا تو ان کے اسلام سے خارج ہونے کا حکم قطعی طور پر کیسے لگایا جا سکتا ہے؟ اس لئے کہ جو شخص قطعی اور یقینی طور پر اسلام میں داخل ہو چکا وہ قطع و یقین کے بغیر اسلام سے خارج نہیں کیا جا سکتا۔"

حضرت علیؓ کی روایت:

ابن بطالؒ فرماتے ہیں: حضرت علی رضی اللہ عنہ سے "اہل نہروان" (خوارج) کے کفر کے متعلق سوال کیا گیا (کہ کیا وہ کافر ہیں یا نہیں؟) فرمایا: "من الکفر فرُّوا." (کفر سے تو وہ بھاگے ہیں) (یعنی انہوں نے اپنے خیال کے مطابق کفر سے بچنے کے لئے ہی مسلمانوں سے علیحدگی اختیار کی ہے تو جو شخص کفر سے اس قدر بچتا ہو وہ کافر کیسے ہو جائے گا؟)۔

محدثین کی جانب سے جواب:

حافظ علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:

"اگر حضرت علیؓ کا یہ قول (اثر) از روئے سند صحیح ثابت ہو تو اس کو حضرت علیؓ کے خارجیوں کے ان کفریہ عقائد سے واقف نہ ہونے کے زمانے پر محمول کیا جائے گا جن کی بنا پر

تکفیر کرنے والوں نے ان کو کافر کہا ہے (یعنی حضرت علیؓ نے یہ اس وقت فرمایا ہوگا جبکہ ان کو ''نہروانیوں'' کے کفریہ عقائد کا علم نہ تھا، ورنہ وہ تو خود بخاری میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اسی حدیث کو روایت کرتے ہیں اور اس میں "فاقتلوھم فان فی قتلھم اجرا لمن قتلھم." (۱) کی تصریح موجود ہے، اور اسی بنا پر انہوں نے خوارج سے خونریز لڑائیاں لڑی ہیں اور ان کو بے دریغ قتل کیا ہے)۔''

نیز حافظؒ فرماتے ہیں:

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قول: "فیتماری فی الفوقة." سے ان کے کفر کے مشکوک ہونے پر استدلال بھی صحیح نہیں ہے، اس لئے کہ جیسے بعض طرق حدیث میں یہ الفاظ آئے ہیں، ایسے ہی بعض طرق میں جیسا کہ ہم اس سے قبل ذکر کر چکے اور آئندہ بھی آئے گا: "لم یعلق منه بشیء." (شکار کا خون وغیرہ مطلق لگا ہوا نہیں) اور بعض طرق میں: "سبق الفرث والدم." (تیر شکار کے خون اور لید سے بھی صاف نکل گیا) بھی آیا ہے (جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ آپؐ تیر پر مطلق کچھ لگا ہوا نہ ہونا بیان فرمانا چاہتے ہیں، نہ کہ ''شکار کے جسم سے نکلنے یا نہ نکلنے میں شک'' ظاہر کرنا) لہٰذا ان تینوں طریقوں کے (مذکورہ بالا) الفاظ کو جمع کرنے کی صورت یہی ہے کہ تیر انداز اول وہلہ میں تیر کو بالکل صاف دیکھ کر ''فوقہ'' کو شک و شبہ کی نظر سے

(۱) یہ الفاظ باب قتل الخوارج ...الخ کی پہلی حدیث میں موجود ہیں جو خود حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔

دیکھتا ہے کہ شکار کے بدن سے گزرا اور نکلا بھی ہے یا نہیں؟ اس کے بعد اسے یقین ہوجاتا ہے کہ (تیر شکار کے جسم سے گزرا اور نکلا تو ضرور ہے لیکن) اتنی تیزی سے گزرا ہے کہ اس کے سرے پر شکار کے خون، لید وغیرہ کا نام ونشان تک نہیں بالکل صاف نکل گیا)۔''

فرماتے ہیں:

''یہ بھی ممکن ہے کہ الفاظ حدیث کا اختلاف ان لوگوں کے اختلاف حال پر مبنی ہو (کہ بعض لوگ تو قطعی طور پر اسلام سے نکل گئے ہوں گے اور بعض کے متعلق شک ہوگا کہ اسلام سے ان کا کوئی علاقہ ہے یا نہیں؟ اور "فیتماری" کے الفاظ پچھلے گروہ سے متعلق ہوں، اور "لم یعلق" اور "سبق الفرث والدم." پہلے گروہ سے متعلق ہوں۔''

امام قرطبیؒ "المفہم" میں فرماتے ہیں: ''ازروئے حدیث خوارج کا کفر (بمقابلہ عدم کفر کے) زیادہ واضح ہے۔''

خوارج کو کافر کہنے اور نہ کہنے کا فرق:

اس کے بعد قرطبیؒ فرماتے ہیں:

''خوارج کو کافر کہنے کی صورت میں ان سے جنگ کی جائے گی اور قتل کیا جائے گا اور ان کے بیوی بچوں کو قیدی بنایا جائے گا، چنانچہ محدثین کے ایک گروہ کا مسلک اموالِ خوارج کے بارے میں یہی ہے اور کافر نہ کہنے کی صورت میں باغی مسلمانوں کا سا معاملہ ان کے ساتھ کیا جائے گا جو اسلامی

حکومت سے بغاوت کرکے لڑنے کے لئے مقابلہ پر آجائیں (یعنی جو لڑتے ہوئے مارے جائیں گے وہ مارے جائیں گے اور جو بچ جائیں گے ان کو بغاوت کی سزا دی جائے گی یا معاف کردیا جائے گا، امام کی رائے پر موقوف ہے)۔"

آگے فرماتے ہیں:

"لیکن ان میں سے جو لوگ کسی پوشیدہ گمراہی کو دل میں رکھتے ہوں گے اس کے منظر عام پر آجانے کے بعد آیا ان سے توبہ کے لئے کہا جائے گا اور توبہ نہ کرنے کی صورت میں ان کو قتل کیا جائے گا یا نہیں؟ بلکہ ان کی گمراہی کے ازالہ اور تردید کی کوشش جاری رکھی جائے گی؟ اس کے بارے میں علماؒ کے درمیان اسی طرح اختلاف ہے جیسے ان کو کافر کہنے اور نہ کہنے کے بارے میں (یعنی جو لوگ کافر کہتے ہیں وہ پہلی صورت کو اختیار کرتے ہیں اور قتل کا حکم دیتے ہیں اور جو کافر نہیں کہتے وہ دوسری صورت کو اختیار کرتے ہیں)۔"

لیکن فرماتے ہیں:

"تکفیر کا دروازہ بڑا خطرناک دروازہ ہے، اس سے احتراز اور سلامتی کے برابر ہمارے نزدیک کوئی چیز نہیں (یعنی جہاں تک ہوسکے اس سے احتراز کیا جائے)۔"

احادیث خوارج سے مستنبط فوائد واحکام:

۱:.....قرطبیؒ فرماتے ہیں: ان احادیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک عظیم الشان پیشین گوئی اور صداقت کی دلیل بھی موجود ہے کہ ایک واقعہ کے پیش

آنے سے بہت پہلے آپ نے ہو بہو اس کی خبر دے دی، اس کی تفصیل یہ ہے کہ جب خوارج نے اپنے مخالف مسلمانوں کے کفر کا اعلان کردیا تو ان کا خون بہانے کو بھی اپنے لئے حلال ومباح سمجھ لیا (اور بے دریغ خونریزی اور قتل وغارت شروع کردی) غیر مسلم ذمیوں (یہود ونصاریٰ) کی تو جان بخشی کردی کہ: "یہ ذمی ہیں، ان سے ہم (جان ومال کی سلامتی کا) معاہدہ کرچکے ہیں، اس کو ضرور پورا کریں گے۔" مشرکوں سے بھی قتل وقتال ترک اور جنگ بندی کردی (کہ یہ تو ہیں ہی کافر ومشرک ان سے دین کو کوئی نقصان نہیں پہنچتا) اور اپنے مخالف مسلمانوں سے خونریز لڑائیاں لڑنے (اور بے گناہ مسلمانوں کو قتل وغارت کرنے) میں مشغول ہوگئے (کہ ان سے دین کو نقصان پہنچتا ہے، گمراہی پھیلتی ہے، اس لئے کہ یہ مسلمان کہلاتے ہیں ان کو صفحۂ ہستی سے مٹانا فرض عین ہے، العیاذ باللہ!) یہ ان جاہلوں کی انتہائی حماقت اور سیہ باطنی کی دلیل ہے جن کے قلوب علم ومعرفت کے نور سے محروم اور تاریک تھے اور ان کے قدم ایمان ویقین کے کسی محکم مقام پر راسخ نہ تھے (اور یہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشین گوئی تھی: "یقرؤن القرآن ولا یجاوز حناجرهم.") اس کے ثبوت کے لئے یہی بہت کافی ہے کہ ان کے سرغنہ (ابن ذی الخویصرہ) نے خود صاحب شریعت علیہ السلام کے حکم کو ٹھکرایا اور العیاذ باللہ! آپؐ پر ظلم وجور کا بہتان لگایا تھا (جس پر حضرت عمرؓ اس کو قتل کرنے کے لئے تیار ہوگئے تھے) اللہ بچائے ایسی سرکشی اور گستاخی وبے باکی سے۔

۲:.....کفار ومشرکین کی بہ نسبت خوارج سے جنگ کرنا زیادہ ضروری ہے:

ابن ہبیرہؒ فرماتے ہیں: مذکورہ بالا احادیث سے ثابت ہوتا ہے کہ بہ نسبت کفار ومشرکین کے خوارج سے جنگ کرنا اور ان کے فتنہ کا استیصال کرنا زیادہ ضروری

ہے (اس لئے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں: "اینما لقیتموھم فاقتلوھم فان فی قتلھم اجرا لمن قتلھم یوم القیامۃ.") اس کی حکمت یہ ہے کہ ان خارجیوں سے جنگ کرنا دین کے اصل سرمایہ (دین اور دیندار مؤمن) کی حفاظت کے لئے ہے اور کفار و مشرکین سے جنگ کرنا منافع کمانے (یعنی مسلمانوں کی تعداد بڑھانے اور غیر مسلموں کو مسلمان بنانے) کے لئے ہے (اور ظاہر ہے کہ اصل سرمایہ کی حفاظت منافع کمانے کی بہ نسبت زیادہ ضروری اور مقدم ہوتی ہے)۔

۳:......جن آیات کے ظاہری معنی اجماعِ امت کے خلاف ہوں ان میں تاویل ضروری ہے:

نیز اس حدیث سے ان تمام لائق تاویل آیات کے ایسے ظاہری معنی مراد لینے کی ممانعت بھی نکلتی ہے جو اجماعِ امت کے خلاف ہوں، (یعنی جن آیات میں صحیح تاویل کر کے اجماعِ امت کے موافق و مطابق بنایا جاسکتا ہے ان کے وہ ظاہری معنی مراد نہ لینے چاہئیں جو اجماعِ امت کے مخالف ہوں، مثلاً: "ان الحکم الا للّٰہ" کے یہ معنی مراد لینا کہ اللہ کے سوا اور کسی کی حاکمیت درست نہیں، لہٰذا علیؓ بھی کافر اور واجب القتل ہیں اور معاویہؓ بھی، اس لئے کہ دونوں حاکمیت کے مدعی ہیں یا دونوں نے حَکَم کے فیصلہ کو مان لیا ہے، قطعاً غلط اور اجماعِ امت و نصوصِ قرآنیہ کے خلاف ہیں)۔

۴:......دینداری میں غلو خطرناک ہے:

نیز ان احادیث میں دینداری کے اندر اس غلو (حد سے تجاوز) کو اور عبادت میں اس نفس کشی کو جس کی شریعت نے اجازت نہیں دی خطرناک قرار دیا ہے، (چنانچہ خوارج کا یہی غلو تمام تر فساد اور کفر، خذلان کا سبب بنا ہے) اس لئے کہ صاحبِ شریعت علیہ السلام نے تو اس شریعت کو انتہائی سہل اور قابلِ عمل قرار دیا ہے،

اسی طرح کفار کے ساتھ سختی اور تشدد کی اور مؤمنین کے ساتھ رأفت و شفقت کی مسلمانوں کو دعوت دی ہے، لیکن ان خوارج نے (محض اپنے جہل اور غلو فی الدّین کی وجہ سے) بالکل اس کے برعکس کردیا تھا (کہ مؤمنین کے ساتھ ظلم و تشدد اور کفار کے ساتھ شفقت و رأفت کو اپنا شعار بلکہ جزوِ ایمان بنالیا تھا اور ریاضاتِ شاقہ میں غلو کی وجہ سے دین کو انتہائی دشوار اور شریعت کو ناقابلِ عمل بنادیا تھا)۔

۵:......امامِ عادل کے خلاف جو بغاوت اور جنگ کرے، اس سے جنگ کرنا ضروری ہے:

اسی طرح ان احادیث سے اس فرد یا جماعت سے جنگ کرنے کی اجازت بھی نکلتی ہے جو امامِ عادل کی طاعت کو بالائے طاق رکھ کر اس کے مقابلہ پر آمادۂ کارزار ہوجائے اور اپنے فاسد عقائد کی بنا پر قتل و غارت اور خونریزی شروع کردے، اسی طرح وہ فرد یا گروہ جو رہزنی اور غارتگری اختیار کرکے ملک میں فساد اور بدامنی پھیلادے اور لوگوں کے لئے گھروں سے نکلنا اور سفر کرنا خطرناک و ناممکن بنادے۔

ہاں! جو فرد یا گروہ کسی ظالم حکمراں کے ظلم و جور سے اپنی جان و مال اور اہل و عیال کو بچانے کی غرض سے بغاوت کرے وہ شرعاً معذور ہے، اس کے خلاف (ظالم حکمراں کی حمایت میں) جنگ نہ کرنی چاہئے، اس لئے کہ اس مظلوم کو حق پہنچتا ہے کہ وہ بقدر طاقت و قوت ظالموں سے اپنے جان و مال اور اہل و عیال کی حفاظت کرے، "کتاب الفتن" میں اس کا تفصیلی بیان آئے گا۔

چنانچہ طبریؒ نے بسند صحیح حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ایک روایت نقل کی ہے کہ حضرت علیؓ نے خوارج کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا کہ: "اگر یہ لوگ امامِ عادل کے خلاف بغاوت اور جنگ کریں تو بے شک ان سے جنگ کرو اور اگر امام ظالم کے خلاف بغاوت اور جنگ کریں تو ان سے جنگ ہرگز نہ کرو، اس لئے کہ اس صورت

میں یہ شرعاً معذور ہیں۔"

حافظ علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:

"کربلا کے میدان میں حسین بن علی رضی اللہ عنہما کی جنگ یزید سے اور "حرہ" (مدینہ) میں اہل مدینہ کی جنگ عقبہ بن مسلم کی فوج سے (جو یزید کی طرف سے مدینہ کا حاکم تھا) اور "مکہ" میں عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کی جنگ حجاج سے، نیز عبدالرحمٰن بن اشعث کے واقعہ میں قراٗ قرآن کی جنگ حجاج سے، اسی قبیل سے ہیں (یعنی ظالموں کے خلاف ان کے ظلم و جور سے بچنے کے لئے لڑی گئی ہیں، یہ حضرات عنداللہ معذور تھے)۔"

۶:...... بلا قصد بھی مسلمان دین سے خارج (اور کافر ہوجاتا) ہے:

ابن ہبیرہؒ فرماتے ہیں: ان احادیث سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ بعض مسلمان دین سے خارج ہونے کا قصد اور اسلام کے بجائے کسی اور دین کے اختیار کرنے کا ارادہ کئے بغیر بھی (محض اپنے کفریہ عقائد و اعمال کی بنا پر) دین سے خارج اور کافر ہوجاتے ہیں (یعنی کسی مسلمان کے کافر ہونے کے لئے یہ ضروری نہیں کہ وہ قصداً اسلام کو چھوڑ کر کسی اور مذہب کو اختیار کرے، بلکہ کفریہ عقائد اور اقوال و اعمال کا اختیار کرلینا ہی اسلام سے خارج اور کافر ہوجانے کے لئے کافی ہے، حدیث خوارج میں "یمرقون" کا لفظ خاص طور پر اس کو ظاہر کرتا ہے)۔

۷:...... خارجی فرقہ سب سے زیادہ خطرناک ہے:

نیز ان احادیث سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ امت محمدیہ کے تمام گمراہ اور

باطل پرست فرقوں میں سب سے زیادہ خطرناک خارجی فرقہ ہے، یہ اسلام کے حق میں یہودیوں اور نصرانیوں سے بھی زیادہ ضرر رساں ہیں(۱) (اس لئے کہ یہ اسلام کے نام پر کفر پھیلاتے ہیں)۔

حافظ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ابن ہبیرہؒ کا یہ آخری استنباط اس قول پر مبنی ہے کہ خوارج مطلقاً کافر ہیں (گویا حافظ ابن حجرؒ کے نزدیک بھی یہی قول راجح ہے)۔

۸:...... حضرت عمرؓ کی منقبت:

نیز ان احادیث سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی بہت بڑی منقبت نکلتی ہے کہ وہ دین کے معاملہ میں بہت سخت تھے (اس لئے کہ وہ ابن ذی الخویصرہ کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ظلم و جور کی جانب منسوب کرتے ہی اس کو قتل کرنے کے لئے تیار ہوگئے)۔

۹:...... کسی کے دین و ایمان کی تصدیق محض اس کے ظاہر کو دیکھ کر نہ کردینی چاہئے:

نیز ان احادیث سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ کسی فرد یا فرقہ کی تعدیل (دین و ایمان کی تصدیق) میں محض اس کے ظاہری اقوال و اعمال پر اکتفا نہ کرنا چاہئے، اگرچہ وہ عبادت و طاعت، دینداری و پرہیزگاری اور زہد و تقشف میں انتہائی مقام پر کیوں نہ پہنچا ہوا ہو، جب تک کہ اس کے باطنی عقائد و اعمال اور اندرونی حالات کی

(۱) ہمارے زمانہ میں بھی اسلام اور قرآن کے نام پر کفر اور دین کا نام لے کر بے دینی پھیلانے والے افراد اور فرقے موجود ہیں اور نو بہ نو پیدا ہو رہے ہیں اور بڑی مشکل سے مسلمان ان کو اسلام سے خارج اور کافر جانتے اور مانتے ہیں، ان کی تکفیر اور بیخ کنی اتنی ہی ضروری ہے جتنی اُس زمانہ میں خوارج کی تکفیر اور بیخ کنی ضروری تھی، اور اس رسالہ کو اس وقت اردو... اور شائع کرنے کا مقصد بھی یہی ہے، اللہ تعالیٰ اس سعی کو مشکور اور دین و دینداروں کو ان فتنوں سے محفوظ فرمائیں، آمین ثم آمین! از مترجم۔

تحقیق نہ کرلی جائے (اس وقت تک اس کے دین و ایمان کی تصدیق نہ کی جائے، درحقیقت حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا مقصد ہی اس حدیث سے امت کو متنبہ کرنا اور دھوکے میں پڑنے سے بچانا ہے)۔

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ ص:۲۴۷ باب "قتل من ابی قبول الفرائض" کے تحت حدیث ''ردّت'' کے ذیل میں ایمان و اسلام کے شرعاً معتبر ہونے کے لئے توحید و رسالت کے ساتھ ساتھ ''جمیع ما جاء بہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم'' پر ایمان لانے اور جملہ احکام شریعت کی پابندی کا اقرار کرنے کا ضروری ہونا ثابت کرنا چاہتے ہیں، تاکہ ثابت ہوجائے کہ کسی بھی فرض شرعی کا انکار موجب کفر ہے، چنانچہ حضرت ابوہریرہؓ کی اس روایت کے سلسلہ میں جس کی تخریج امام بخاریؒ نے باب ''قتل من ابی قبول الفرائض'' کے ذیل میں کی ہے، اور ہم حاشیہ میں اس کو نقل کرچکے ہیں، فرماتے ہیں:

''اس حدیث ردّت سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ جو شخص صرف ''لا الٰہ الا اللہ'' کہے اگرچہ اس پر (محمد رسول اللہ کا) اضافہ نہ بھی کرے اس کو قتل کرنا ممنوع ہے، لیکن کیا وہ صرف اتنا ہی کہنے سے مسلمان بھی ہوجائے گا؟ یہ محل بحث ہے، صحیح یہ ہے کہ وہ مسلمان تو نہ ہوگا مگر اس کے قتل سے باز رہنا واجب ہے، اس کے بعد تحقیق کی جائے اگر وہ اس کے ساتھ رسالت (محمد رسول اللہ) کی شہادت بھی دے اور تمام احکام شریعت کی پابندی کا اقرار بھی کرے تب اس کو مسلمان قرار دیا جائے گا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث میں: "الّا بحق الاسلام" کے استثنا سے اسی جانب اشارہ ہے (یعنی یہ استثنا اسی غرض سے ہے کہ اگر رسالت کی شہادت نہ دے یا کل یا بعض احکام شریعت کی پابندی کا اقرار نہ کرے تو ''لا الٰہ الا اللہ'' کہنے کے باوجود

کافر اور واجب القتل ہے)۔''

امام بغویؒ فرماتے ہیں:

''یہ کافر اگر بت پرست ہو یا دو خداؤں کا ماننے والا ہو (جیسے مجوسی کہ ''یزداں'' اور ''اہرمن'' دو خدا مانتے ہیں) تب تو صرف کلمہ توحید لا الٰہ الا اللہ پڑھ لینے پر ہی اس کو مسلمان قرار دے دیا جائے اور اس کے بعد تمام احکام شریعت کے ماننے اور اسلام کے سوا تمام مذاہب سے بے تعلقی کا اعلان کرنے پر مجبور کیا جائے گا، اور اگر یہ کافر توحید کا تو قائل ہے مگر رسول اللہ کی نبوت کو نہیں مانتا (جیسے یہودی یا نصرانی) تو جب تک ''محمد رسول اللہ'' نہ کہے اس کو مسلمان نہ قرار دیا جائے گا، اور اگر اس کا عقیدہ یہ ہے کہ محمدؐ رسول تو ہیں مگر صرف اہل عرب کے لئے ہیں تو اس کے مسلمان قرار دینے کے لئے ''رسول اللہ'' کے ساتھ "الی جمیع الخلق" (تمام مخلوق کے لئے) کا اضافہ بھی ضروری ہے اور اگر کسی فرض شرعی کا انکار کرنے یا حرام کو حلال سمجھ لینے کی وجہ سے اس کو کافر قرار دیا گیا ہے تو اس کے مسلمان ہونے کے لئے اپنے اس عقیدہ سے تائب ہونے کا اعلان کرنا بھی ضروری ہے۔''

حافظؒ فتح الباری ج:۱۲ ص:۲۴۷ میں فرماتے ہیں:

''علامہ بغویؒ کے بیان میں "یجبر" کے لفظ کا تقاضا یہ ہے کہ اگر وہ التزام احکام شرعیہ کا اقرار نہ کرے تو اس پر مرتد کے احکام جاری ہوں گے (یعنی اس کو اسی حالت پر نہ چھوڑا جائے گا بلکہ اقرار نہ کرے تو مرتد قرار دے کر اس کو قتل کردیا

جائے گا) علامہ قفال نے اس کی تصریح کی ہے۔"

خوارج کے بارے میں امام غزالیؒ کی تحقیق:

حافظ علیہ الرحمۃ فتح الباری ص:۲۵۲ پر باب "قتل الخوارج" کے ذیل میں خوارج کے مختلف فرقوں اور ان کے عقائد کا حال تفصیل سے بیان کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

> "امام غزالی علیہ الرحمۃ "وسیط" میں دوسرے علماٴ اسلام کا اتباع کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ حکم خوارج کے سلسلہ میں دوصورتیں ہیں، ایک یہ کہ ان پر مرتد کا حکم لگایا جائے، دوسرے یہ کہ ان کو باغی مسلمان قرار دیا جائے، امام رافعیؒ نے اول صورت کو ترجیح دی ہے...... مگر یہ ارتداد کا حکم ہر خارجی پر نہیں لگایا جاسکتا، اس لئے کہ خارجیوں کے دو گروہ ہیں، ایک گروہ وہ ہے جو حکومت سے بغاوت بھی کرتا ہے اور اپنے باطل عقائد کے ماننے پر بھی لوگوں کو مجبور کرتا ہے، یہ وہی ہیں جن کا ذکر اوپر آچکا ہے (اور یقیناً کافر ہیں) دوسرا فرقہ وہ ہے جو اپنے عقائد کے ماننے پر کسی کو مجبور نہیں کرتا بلکہ حکومت حاصل کرنے کے لئے موجودہ حکومت کے خلاف بغاوت کرتا ہے، پھر اس دوسرے گروہ کی بھی دو قسمیں ہیں، ایک وہ جماعت جن کی بغاوت کا محرک دین کی حمایت و صیانت اور خلق اللہ کو ظالم حکمرانوں کے جور و ستم سے نجات دلانے اور سنت رسول اللہ کو قائم کرنے کا جذبہ ہے، یہ حضرات اہل حق ہیں، انہی میں شہید کربلا حضرت حسین بن علی رضی اللہ عنہ اور "حرہ" (مدینہ) میں (مروانیوں

> سے) جنگ کرنے والے اہل مدینہ اور (حجاج سے جنگ کرنے والے) "قرأ" داخل ہیں (ان کو یقیناً کافر و مرتد نہیں کہا جاسکتا، یہ تو غازی اور مجاہد فی سبیل اللہ ہیں) دوسری قسم وہ جماعت ہے جو صرف ملک گیری کے جذبہ کے تحت (حکومت وقت سے) بغاوت کرتی ہے خواہ کوئی مذہبی گمراہی ان میں پائی جائے، خواہ نہیں، یہ یقیناً باغی ہیں، کتاب الفتن میں انشاٴ اللہ ان کا حکم بیان کیا جائے گا۔"

اجماعِ امت کا مخالف کافر اور دین سے خارج ہے:

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ یہ ثابت کرنے کے لئے کہ وہ فرائض و احکام شرعیہ، جن کا انکار کرنے سے ایک مسلمان کافر و مرتد ہوجاتا ہے، ان کا "متواتر" ہونا ضروری نہیں، بلکہ "مجمع علیہ" عقائد و اعمال کا منکر بھی کافر و مرتد ہے، ج:۱۲ ص:۱۷۷ پر حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث: "لا یحل دم امرأ مسلم ... الخ." کے ذیل میں "التارک لدینہ المفارق للجماعة" کی شرح کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

> "ابن دقیق العیدؒ فرماتے ہیں کہ "المفارق للجماعة" سے یہ بھی مستنبط ہوتا ہے کہ اس سے مراد وہ شخص ہے جو اجماع امت کا مخالف ہو، اس صورت میں اس سے وہ لوگ استدلال کرسکیں گے جو اجماع کی مخالفت کرنے والے کو کافر کہتے ہیں، چنانچہ بعض علماٴ کی جانب یہ استدلال منسوب بھی ہے لیکن یہ استدلال کچھ واضح نہیں، اس لئے کہ بعض اجماعی مسائل تو بطور "تواتر" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت

ہیں، مثلاً نماز کا فرض ہونا، لیکن بعض اجماعی مسائل از روئے سند ''متواتر'' نہیں ہوتے، قسم اول کا منکر تو بے شک کافر ہے، اس لئے کہ وہ ایک امر متواتر کا منکر ہے، اس لئے کہ اجماع امت کا مخالف ہے، لیکن قسم دوم کا منکر کافر نہ ہوگا (اس لئے کہ وہ کسی امر متواتر کا منکر نہیں ہے) چنانچہ ہمارے استاذ (حافظ عراقی) رحمۃ اللہ علیہ ''شرح ترمذی'' میں فرماتے ہیں کہ:

''صحیح یہ ہے کہ منکر اجماع کو صرف اس صورت میں کافر کہا جائے گا جبکہ وہ کسی ایسے امر اجماعی کا انکار کرے جس کا وجوب قطعی طور پر دین سے ثابت ہو، مثلاً صلوات خمسہ کا منکر۔''

بعض علما نے اس سے زیادہ محتاط تعبیر اختیار کی ہے اور کہا ہے کہ جس امر اجماعی کا ''وجوب'' تواتر سے ثابت ہو، اس کا منکر کافر ہے۔ حدوث عالم کا عقیدہ بھی اسی میں داخل ہے، چنانچہ قاضی عیاضؒ وغیرہ علمائے دین نے عالم کے قدیم ہونے کا عقیدہ رکھنے والے کے کفر پر امت کا اجماع نقل کیا ہے۔''

شیخ ابن دقیق العیدؒ فرماتے ہیں کہ:

''اس مقام پر (مسئلہ حدوث عالم کے باب میں) بعض ایسے بزرگوں کے قدم پھسل گئے ہیں جو علوم عقلیہ میں مہارت کے بلند بانگ دعوے کرتے ہیں، لیکن درحقیقت وہ فلسفہ یونان کی طرف مائل ہیں، ان کا خیال ہے کہ جو حدوث عالم کا منکر ہو اس کو کافر نہ کہا جائے، اس لئے کہ اس میں صرف ''اجماع'' کی مخالفت ہے، اور اہل سنت کے اس قول سے استدلال کرتے ہیں کہ: ''اجماع کا مخالف مطلقاً کافر نہیں بلکہ جو

اجماعی مسائل بطور تواتر صاحب شریعت سے ثابت ہوں صرف ان کا مخالف کافر ہوتا ہے۔'' (اور حدوث عالم ان کے خیال میں صاحب شریعت سے بطور تواتر ثابت نہیں ہے) شیخ ابن دقیق العیدؒ فرماتے ہیں یہ استدلال ساقط اور ناقابل التفات ہے، یا بصیرت ایمانی سے محرومی اس کا محرک ہے، یا جان بوجھ کر حقیقت سے آنکھیں بند کرلینا اس کا باعث ہے، اس لئے کہ حدوث عالم ایک ایسا عقیدہ ہے جس پر امت کا اجماع بھی ہے اور از روئے سند متواتر بھی ہے (لہٰذا اس کا منکر یقیناً کافر ہے)۔''

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ ص:۱۸۰ پر اس بحث کو اس پر ختم کرتے ہیں کہ:

''اجماع کا مخالف ''مفارق للجماعة'' میں داخل (اور کافر) ہے۔''

استہزاءً کے طور پر انکار کرے، اس سے کچھ فرق نہیں پڑتا (ہر صورت میں) کافر ہوجائے گا، اور موجب کفر فعل وہ ''کفریہ عمل'' ہے جو انسان عمداً کرے اور وہ دین کے ساتھ کھلا ہوا استہزاءً ہو، مثلاً بت کو سجدہ کرنا۔''

بغیر کسی جبر و اکراہ کے زبان سے کلمہ کفر کہنے والا کافر ہے، اگرچہ اس کا وہ عقیدہ نہ بھی ہو:

''شرح فقہ اکبر'' میں ص:۱۹۵ پر علامہ قونویؒ کا قول نقل کیا ہے، فرماتے ہیں:

''اگر کسی شخص نے اپنی خوشی سے (بغیر کسی جبر و اکراہ کے) زبان سے عمداً کلمہ کفر کہہ دیا، تو وہ کافر ہوجائے گا، اگرچہ وہ اس کا عقیدہ نہ بھی ہو، اس لئے کہ (اس صورت میں) زبان سے کلمہ کفر کہنے پر اس کی رضا پائی گئی (اور رضا بالکفر، کفر ہے) اگرچہ وہ اس کے حکم یعنی کافر بننے پر راضی نہ بھی ہو، اور ناواقفیت اور جہل کا عذر بھی مسموع نہ ہوگا، عام علماء کا فیصلہ یہی ہے، اگرچہ بعض علماء اس کی مخالفت کرتے ہیں، (اور ناواقفیت کو عذر تسلیم کرتے ہیں) نیز علامہ موصوف فرماتے ہیں ''خلافت شیخین'' کا منکر کافر ہے۔''

اسی ''شرح فقہ اکبر'' میں ملا علی قاریؒ خود فرماتے ہیں:

''پھر یاد رکھو کہ اگر کوئی شخص زبان سے کلمہ کفر کہے یہ جانتے ہوئے کہ اس کا حکم یہ ہے (کہ انسان کافر ہوجاتا ہے) اگرچہ وہ اس کا معتقد نہ بھی ہو، لیکن کہے برضا و رغبت (بغیر کسی

جبر و اکراہ کے) تو اس پر کافر ہونے کا حکم لگایا جائے گا، اس لئے کہ بعض علماء کے نزدیک مختار یہ ہے کہ تصدیق قلبی اور اقرار لسانی دونوں کے مجموعہ کا نام ایمان ہے، لہٰذا یہ کلمہ کفر کہنے کے بعد وہ اقرار، انکار سے بدل گیا (اور ایمان باقی نہ رہا)۔''

ملا علی قاریؒ کی ''شرح شفا'' میں ج:۲ ص:۴۲۹ پر اور کچھ حصہ ج:۲ ص:۴۲۸ پر بھی یہی تحقیق مذکور ہے۔

ناواقفیت کا عذر کس صورت میں مسموع ہے اور کس میں نہیں؟

اسی ''شرح فقہ اکبر'' کے آخر میں فرماتے ہیں:

''میں کہتا ہوں پہلا قول (کہ جہالت عذر ہے) زیادہ صحیح معلوم ہوتا ہے، الا یہ کہ ایسے امر کا انکار کرے جس کا ضروریاتِ دین میں سے ہونا قطعی اور یقینی طور پر معلوم ہو، ایسی صورت میں اس انکار کرنے والے کو کافر قرار دیا جائے گا، اور جہالت کا عذر مسموع نہ ہوگا۔''

زبان سے کلمہ کفر بنص قرآن موجب کفر ہے:

حافظ ابن تیمیہؒ ''الصارم المسلول'' میں ص:۵۱۹ پر فرماتے ہیں:

''اسی لئے (کہ کلمہ کفر زبان پر لانے سے ہی انسان کافر ہوجاتا ہے) اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

''لَا تَعْتَذِرُوْا قَدْ كَفَرْتُمْ بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ۔'' (التوبۃ:۶۶)

ترجمہ:... ''تم کوئی عذر مت پیش کرو، اس لئے کہ بے شک تم ایمان لانے کے بعد (کلمہ کفر کہنے کی وجہ سے) کافر ہوگئے۔''

فرماتے ہیں:

یہاں اللہ تعالیٰ نے (قد کفرتم کے بجائے) یہ نہیں فرمایا کہ تم اپنے قول: "انما کنا نخوض ونلعب" میں "جھوٹے ہو" یعنی ان کو اس عذر میں جھوٹا نہیں کہا، بلکہ یہ بتلایا کہ تم اس ہنسی، دل لگی اور کھیل کود کے طور پر کلمہ کفر کہنے کی وجہ سے ہی ایمان کے بعد کافر ہوگئے (پس بنص قرآن معلوم ہوا کہ ہنسی، دل لگی کے طور پر کلمہ کفر کہنا بھی موجب کفر ہے، اگرچہ قصد کچھ بھی ہو)۔"

ص:۵۲۴ پر اس کی مزید وضاحت کی ہے، اسی طرح امام ابوبکر جصاصؒ نے "احکام القرآن" میں اس کو وضاحت کے ساتھ بیان کیا ہے۔

شارع علیہ السلام نے محض کلمہ کفر زبان سے کہنے کو موجب کفر قرار دیا ہے:

مصنف علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:

ان تصریحات کے پیش نظر یہ کہنا کچھ بعید نہیں کہ صاحب شریعت علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مذکورۂ سابق حدیث (ابو سعیدؓ) میں ایسے مسلمان کے کافر کہنے کو ہی جس کا اسلام سب کو معلوم ہے، کفر قرار دیا ہے، اس لئے کہ شارع علیہ السلام کو اس کا اختیار ہے (کہ وہ کسی بھی قول یا فعل کو کفر قرار دے دیں) نہ اس لئے کہ کسی مسلمان کو کافر کہنے کے ضمن میں اسلام کو کفر کہنا لازم آتا ہے (کہ یہ بلاوجہ کا تکلف ہے) اللہ تعالیٰ اپنے نبی کو خطاب کرکے فرماتے ہیں:

"فلا وربک لا یؤمنون حتی یحکموک فیما شجر بینھم ثم لا یجدوا فی انفسھم حرجا مما قضیت

ویسلموا تسلیما." (النساء:۶۵)

ترجمہ:... "پس قسم ہے تیرے رب کی وہ اس وقت تک مؤمن نہ ہوں گے جب تک تجھ کو اپنے باہمی جھگڑوں میں حاکم بااختیار نہ مان لیں، اور پھر تیرے فیصلوں سے اپنے دلوں میں ناگواری بھی محسوس نہ کریں اور کلی طور پر (تجھ کو حاکم مختار) تسلیم کرلیں۔"

(اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اللہ تعالیٰ نے امت کے تمام احکام و معاملات میں کلی طور پر مختار بنادیا ہے، اور اسی اختیار کے تحت حضورؐ نے کسی مسلمان کے کافر کہنے کو کفر قرار دیا ہے) اور اللہ تعالیٰ تو تمام امور کے مالک و مختار ہیں ہی (اسی لئے اس نے اپنے نبی کو امت کے احکام و معاملات میں مختار بنادیا ہے۔)

کفر کو کھیل بنالینا کفر ہے:

"ایثار الحق" میں ص:۴۳۲ پر امام غزالی رحمہ اللہ کے حوالے سے (اس تکفیر کی) وجہ یہ بیان کی ہے:

"کسی مسلمان بھائی کو کافر کہنے والا جبکہ اس کے اسلام کا معتقد ہے تو اس کے باوجود اس کو کافر کہنے کے معنی یہ ہوئے کہ جس دین کا وہ پیرو ہے، وہ کفر ہے، اور وہ پیرو ہے اسلام کا، تو گویا کہنے والے نے اسلام کو کفر کہا، اور جو کوئی اسلام کو کفر کہے وہ خود کافر ہے، اگرچہ اس کا یہ عقیدہ نہ بھی ہو۔"

مصنف علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں: تو دیکھو غزالیؒ نے اسے کفر کے ساتھ دل لگی (یعنی کفر کو کھیل بنالینے کے مرادف) قرار دیا ہے (اور اس کو موجب کفر کہا ہے)۔

ضروریاتِ دین کی مخالفت میں کوئی تاویل مسموع نہیں اور ان میں تاویل کرنے والا کافر ہے:

ضروریات دین اور امور قطعیہ کے علاوہ امور حقہ میں تاویل مسموع ہے، ضروریاتِ دین اور قطعیات میں کوئی بھی تاویل مسموع[1] نہیں اور مؤول تاویل کرنے کے باوجود کافر ہے:

مصنف رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''کلیات ابوالبقا'' میں ص: ۵۵۳ و ۵۵۴ پر لکھا ہے:

''ہر وہ شخص جس کے دل میں ایمان نہ ہو وہ کافر ہے، اب اگر وہ صرف زبان سے ایمان کا اظہار (اور مسلمان ہونے کا

(۱) صریح کفریہ عقائد رکھنے والے اور کفریہ اقوال و اعمال کا ارتکاب کرنے والے ''نام نہاد'' مسلمان افراد یا فرقوں پر جب علمائے حق کفر کا حکم اور فتویٰ لگاتے ہیں، تو احتیاط کوش اور تساہل پسند علما ان کی تکفیر سے یہ کہہ کر احتراز کرتے ہیں کہ: ''مؤول کی تکفیر شرعاً جائز نہیں ہے۔'' اور خود وہ لوگ بھی علمائے حق کے مقابلہ پر اس فقرہ کو بطور ''سپر'' استعمال کرتے ہیں، اس لئے حضرت مصنف قدس اللہ سرہ ''تکفیر اہل قبلہ'' کی طرح اس مسئلہ ''تاویل'' پر بھی ایک مستقل عنوان اور باب قائم کرکے علما محققین کے اقوال و آرا پیش فرماتے ہیں، اور اس مسئلہ کی مکمل تنقیح اور تحقیق فرماتے ہیں۔ از مترجم۔

دعویٰ) کرتا ہے تو وہ منافق ہے، اور اگر ایمان لانے کے بعد کفر کو اختیار کرتا ہے تو وہ مرتد ہے، اور اگر ایک سے زائد معبود مانتا ہے تو وہ مشرک ہے، اور اگر کسی منسوخ دین اور کتاب کا متبع ہے تو وہ کتابی ہے، اور اگر زمانہ کو قدیم مانتا ہے اور حوادث عالم کو اسی کی جانب منسوب کرتا ہے (یعنی ''زمانہ'' کو ہی کائنات کا خالق اور اس میں متصرف مانتا ہے) تو وہ مُعَطِّل ہے، اور اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا تو اقرار کرتا ہے، مگر اسی کے ساتھ باطنی طور پر ایسے عقیدے رکھتا ہے، جو متفقہ طور پر کفر ہیں تو وہ زندیق ہے۔''

ممانعت تکفیر اہل قبلہ کس کا قول ہے؟ اور اس کی صحیح تعبیر کیا ہے؟

نیز حضرت مصنف رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

اہل قبلہ کی تکفیر سے ممانعت صرف شیخ ابوالحسن اشعریؒ اور فقہاؒ کا قول ہے، مگر جب ہم ان (نام نہاد) مسلمان فرقوں کے عقائد کا جائزہ لیتے ہیں تو ان میں ہم ایسے عقائد موجود پاتے ہیں، جو قطعی طور پر کفر ہیں، لہذا ہم (اس مسئلہ کا عنوان یہ قرار دیتے ہیں کہ):

''ہم اہل قبلہ کو اس وقت تک کافر قرار نہیں دیتے جب تک کہ وہ کسی موجب کفر قول یا فعل کا ارتکاب نہ کریں۔''

اور یہ قول (لا نکفر اهل القبلة اگرچہ بظاہر عام ہے، لیکن یہ) ایسا ہی ہے جیسے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ''اِنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِيْعًا.'' (بے شک اللہ تمام گناہوں کو معاف کردے گا) حالانکہ کفر و شرک (وہ گناہ ہیں جو کسی کے نزدیک بھی

دیکھیں صفحہ 109

عبدالرحیم عراقی نے اس سوال کا جواب دیا ہے کہ: "بے شک یہ جاننا شرط صحت ایمان ہے، چنانچہ اگر کوئی شخص یہ کہے کہ اس پر تو میرا ایمان ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم تمام مخلوق کے لئے رسول ہیں، لیکن میں یہ نہیں جانتا کہ آپؐ بشر تھے، یا فرشتہ، یا جن، یا یہ کہے کہ: میں یہ نہیں جانتا کہ آپؐ عربی ہیں یا عجمی؟ تو اس شخص کے کافر ہونے میں کوئی شک نہیں، اس لئے کہ یہ قرآن کی تکذیب ہے، اللہ پاک فرماتے ہیں: "هُوَ الَّذِيْ بَعَثَ فِي الْأُمِّيِّيْنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ." دوسری آیت میں فرماتے ہیں: "لَا اَقُوْلُ لَكُمْ اِنِّيْ مَلَكٌ." پہلی آیت میں عربی النسل ہونا اور دوسری آیت میں بشر ہونا منصوص ہے، لہٰذا اس شخص کا عربی النسل یا بشر ہونے سے انکار، قرآن کا انکار و تکذیب ہے)، نیز یہ شخص ایک ایسے امر یقینی اور مجمع علیہ کا انکار کرتا ہے جس کو امت روزِ اول سے "اباً عن جدٍ" جانتی چلی آتی ہے، اور ہر خاص و عام قطعی اور یقینی طور پر (آفتاب نصف النہار کی طرح) جانتا اور مانتا ہے، لہٰذا یہ (اجماع امت) ضروریاتِ دین میں سے ہوگیا (جس کا انکار کفر ہے) اور ہمارے علم میں (امت میں) اس کا کوئی مخالف بھی نہیں ہوا (اس لئے اجماع قطعی ہوگیا)، لہٰذا اگر کوئی ایسا جاہل اور غبی ہو کہ اس (اظہر من الشمس) امر کو بھی نہ جانتا ہو تو اس کو بتلانا اور آگاہ کرنا (ہر مسلمان کا) فرض ہے، اس کے بعد بھی اگر وہ اس امر ضروری (بدیہی) کا انکار کرے تو ہم اس کو ضرور کافر قرار دیں گے، اس لئے کہ کسی بھی امر ضروری (بدیہی) کا انکار کفر ہے، باقی جو امر ضروری اور یقینی نہیں ہے،

اس کا انکار بے شک کفر نہیں ہے، اگرچہ بتلانے کے باوجود بھی انکار کیا جائے، (زرقانی کے اس طویل بیان سے بھی واضح ہوگیا کہ "اجماع قطعی" کا انکار کفر ہے) زرقانی فرماتے ہیں: شیخ الاسلام زکریا انصاری رحمہ اللہ کی کتاب "البهجة" کے شارحین کے بیان کا حاصل بھی یہی ہے۔"

ختم نبوت کا عقیدہ اجماعی ہے، اس کا منکر قطعاً کافر ہے، اور اس میں کوئی تاویل و تخصیص قابل سماعت نہیں:

امام غزالی علیہ الرحمۃ کتاب "الاقتصاد" میں فرماتے ہیں:

"امت مسلمہ نے (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے) ان الفاظ (انقطعت النبوة والرسالة فلا نبي بعدي ولا رسول) کا مطلب یہی سمجھا ہے کہ آپؐ نے (اپنی امت کو) بتلایا ہے کہ میرے بعد قیامت تک نہ کوئی نبی ہوگا نہ رسول، اور یہ کہ اس بیان میں نہ کوئی تاویل ہے نہ تخصیص، اب جو کوئی اس میں کوئی تاویل یا تخصیص کرتا ہے اس کا قول از قبیل ہذیان و بکواس ہے، ایسے شخص کو کافر کہنے میں کوئی امر مانع نہیں، اس لئے کہ یہ شخص اس نص صریح کی تکذیب کرتا ہے جس کے متعلق امت کا اجماع ہے کہ اس میں نہ کوئی تاویل ہے نہ تخصیص۔"

قاعدہ کلیہ: کون سی بدعت (گمراہی) موجب کفر ہے اور کون سی نہیں؟

علامہ شامیؒ رسائل ابن عابدین میں ص: ۳۶۰ پر فرماتے ہیں:

''اور اس پر بھی اجماع ہے کہ ہر وہ بدعت (گمراہی) جو ایسی قطعی دلیل کے مخالف و منافی ہو جو علم یقینی یعنی اعتقاد و عمل کو واجب کرتی ہے، اس کے معتقد ''مبتدع'' کی تکفیر سے کوئی شبہ مانع نہیں سمجھا جائے گا، چنانچہ ''الاختیار'' میں تصریح کی ہے کہ ہر وہ بدعت (گمراہی) جو ایسی قطعی دلیل کے خلاف ہو جو علم اور اس پر عمل کو قطعاً واجب قرار دیتی ہے وہ کفر ہے، اور جو بدعت ایسی دلیل کے مخالف نہ ہو بلکہ صرف ایسی دلیل کے خلاف ہو جو ظاہری عمل کو واجب کرتی ہے، وہ بدعت (گمراہی) کفر نہیں ہے۔''

اسی رسائل ابن عابدین کے ص:۲۶۲ پر فرماتے ہیں:

''دوسرا قول جو ''محیط'' میں مذکور ہے وہی ہے جو ہم شرح ''الاختیار'' اور ''شرح عقائد'' سے اس سے قبل نقل کر چکے ہیں، اس قول میں اور ابن المنذر کے بیان میں اس طرح توفیق پیدا کی جا سکتی ہے کہ ابن المنذر کی مراد ان لوگوں سے جن کو کافر کہا گیا ہے، وہ لوگ ہیں جو قطعی دلیل کا انکار کریں۔''

ضروریاتِ دین کا منکر کافر ہے، امور قطعیہ کا منکر بتلانے کے باوجود بھی انکار پر مصر رہے تو وہ بھی کافر ہے:

مصنف علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں: ''بنایہ'' کے دستیاب نسخہ میں باب ''البغات'' کے ذیل میں لکھا ہے:

''محیط میں مذکور ہے کہ اہل بدعت (گمراہ فرقوں) کو کافر کہنے میں علماً کے درمیان اختلاف ہے، چنانچہ بعض علماً تو کسی

بھی مبتدع فرقہ کو کافر نہیں کہتے، اور بعض علماً ان میں سے بعض کو کافر کہتے ہیں (بعض کو نہیں)، یہ علماً کہتے ہیں کہ ہر وہ بدعت (گمراہی) جو کسی قطعی دلیل کے خلاف ہو وہ کفر ہے (اور اس کا ماننے والا کافر ہے)، اور جو بدعت کسی قطعی اور موجب علم و یقین دلیل کے خلاف نہ ہو، وہ بدعت گمراہی ہے (اور اس کا ماننے والا گمراہ ہے، کافر نہیں)، علماً اہل سنت والجماعت کا اسی پر اعتماد ہے۔''

فرماتے ہیں: باقی ''فتح القدیر'' میں جو اس (فرق) پر کلام کیا ہے کہ: صاحب محیط کی مراد (ان امور سے جن میں اختلاف ہے) وہ امور ہیں جو ضروریاتِ دین میں سے نہ ہوں، (یعنی یہ تفصیل اور فرق صرف غیر ضروریاتِ دین میں ہے، اور ضروریاتِ دین کا منکر بہرصورت کافر ہے) اور ابن عابدینؒ نے اسی پر اکتفا کیا ہے (کہ یہ فرق صرف غیر ضروریاتِ دین میں ہے) تو محقق ابن ہمامؒ نے ''فتح القدیر'' کے باب ''الامامۃ'' میں اس کے اندر تردد کا اظہار کیا ہے (کہ ضروریاتِ دین میں یہ فرق معتبر ہے یا نہیں) چنانچہ ''فواتح الرحموت'' میں اس پر تنبیہ بھی کی ہے۔

فرماتے ہیں: لہٰذا ''محیط'' کا بیان نظر انداز کر دینے کے قابل نہیں ہے، خاص کر جبکہ وہ اس کو اکثر علماً اہل سنت کا مسلک بتاتے ہیں، ابن عابدینؒ نے بھی باب ''البغاۃ'' میں اس ''فتح القدیر'' کے بیان پر استدراک کیا ہے، اور جبکہ ضروریاتِ دین پر تکفیر کرنے میں کوئی اختلاف ہے ہی نہیں، جیسا کہ ''تحریر'' میں اس کی تصریح کی ہے، اور ایسے قطعی امور پر تکفیر کو جو ضروریاتِ دین میں سے نہ ہوں صرف اس صورت پر محمول کیا ہے، جبکہ خود منکر کو ان کے قطعی ہونے کا علم ہو یا اہل علم اس کو بتلائیں اس کے باوجود بھی وہ انکار پر قائم اور مصر رہے جیسا کہ ''مسایرۃ'' میں ص:۲۰۸ پر اس کی تصریح کی ہے، تو پھر مسئلہ بالکل صاف اور واضح ہو جاتا ہے اور بحث کی کوئی گنجائش

باقی نہیں رہتی۔(۱)

موجب کفر بدعت کے مرتکب کے پیچھے نماز جائز نہیں:

مصنف علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں: "بدائع الصنائع" میں جو فقہ حنفی کی بلند پایہ اور مستند کتاب ہے، ص: ۱۵۷ پر لکھا ہے:

> "مبتدع (گمراہ) اور فاسد العقیدہ شخص کی امامت مکروہ ہے، امام ابویوسفؒ نے "امالی" میں اس کی تصریح کی ہے، وہ فرماتے ہیں: میں اس کو مکروہ سمجھتا ہوں کہ امام مبتدع اور فاسد العقیدہ ہو، اس لئے کہ صحیح العقیدہ مسلمان ایسے شخص کے پیچھے نماز پڑھنا پسند نہیں کرتے، باقی رہا یہ کہ ایسے شخص کے پیچھے نماز جائز ہے یا نہیں؟ تو بعض مشائخ احناف تو فرماتے ہیں کہ مبتدع کے پیچھے نماز ہوتی ہی نہیں، چنانچہ "منتقی" میں تو امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ سے ایک روایت بھی نقل کی ہے کہ امام صاحب مبتدع کے پیچھے نماز جائز نہیں سمجھتے، لیکن صحیح یہ ہے کہ اگر وہ بدعت موجب کفر ہے تو ایسے مبتدع کے پیچھے تو نماز ناجائز ہے، اور اگر موجب کفر نہیں ہے تو جائز تو ہے، مگر مکروہ ہے۔"

---

(۱) حاصل یہ ہے کہ ضروریات دین کے انکار پر تو منکر کی تکفیر متفق علیہ ہے، اس میں کوئی اختلاف نہیں، اسی طرح اور قطعی امور کے انکار پر بھی تکفیر متفق علیہ ہے، اس شرط کے ساتھ کہ یا وہ ان کے قطعی ہونے کو جانتا ہو، اور پھر انکار کرے، یا بتلانے کے باوجود باز نہ آئے، اور انکار پر مصر رہے، صرف اس شخص کی تکفیر نہیں کی جائے گی جو ایسے قطعی امور کا انکار کرے جو ضروریات دین میں سے نہ ہوں، اور منکر کو ان کے قطعی ہونے کا علم نہ ہو، سو ایسے منکر کو ان امور کے قطعی ہونے سے آگاہ کیا جائے، اگر باز آجائے تو فبہا ورنہ اس کو بھی کافر قرار دے دیا جائے گا۔ واللہ اعلم!

امام ابوحنیفہؒ کے مشہور قول ممانعت تکفیر اہل قبلہ کی حقیقت:

حضرت مصنف علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں: یہ "منتقی"، جس کی روایت کا صاحب "بدائع" نے حوالہ دیا ہے، وہی "منتقی" ہے جس کے حوالہ سے "مسایرہ" میں ص: ۲۱۴ پر امام ابوحنیفہؒ سے ممانعت تکفیر اہل قبلہ کا مشہور قول نقل کیا ہے (جس کا تذکرہ آچکا ہے) لہٰذا "منتقی" کا یہ بیان اس بیان کی وضاحت کرتا ہے (کہ امام صاحبؒ کے نزدیک صرف اس صورت میں اہل قبلہ کی تکفیر ممنوع ہے کہ جس میں ضروریاتِ دین کا انکار، یا قطعی امر کی مخالفت نہ ہو، ورنہ اگر کوئی اہل قبلہ ضروریات دین، یا امر قطعی کا انکار کرے گا تو اس کو ضرور کافر کہا جائے گا، اسی لئے اس کے پیچھے نماز جائز نہیں ہے، جیسا کہ اس روایت سے ثابت ہوتا ہے)۔

مصنف علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں: باب "الشہادۃ" کے ذیل میں بھی یہی تفصیل بیان کی ہے اور "خلاصۃ الفتاویٰ" میں تو تصریح کی ہے کہ (امام محمدؒ نے) "اصل" (مبسوط) میں اس (نماز نہ ہونے) کی تصریح کی ہے۔ صاحب "البحر الرائق" نے بھی "خلاصۃ الفتاویٰ" سے یہی نقل کیا ہے۔

مصنف علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں: "فتح القدیر" کے اس بیان کی بھی مراجعت کرنی چاہئے جو "مطلقہ ثلاث کی تحلیل کے حیلہ" سے متعلق ہے۔

ضروریاتِ دین اور دین کے قطعی امور کا منکر پکا کافر ہے، جس میں کسی تاویل کی گنجائش نہیں:

مصنف علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں: علامہ عبدالحکیم سیالکوٹیؒ "حاشیہ خیالی" میں فرماتے ہیں:

> "والتاویل فی ضروریات الدین لا یدفع الکفر."

ترجمہ:......''ضروریاتِ دین میں تاویل کفر سے نہیں بچاسکتی۔''

فرماتے ہیں: ''خیالی'' میں بھی یہی بیان کیا ہے۔

مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ مکتوبات ''امام ربانی'' میں ج:۳ ص:۳۸، ج:۸ ص:۹۰ پر فرماتے ہیں:

''چونکہ یہ مبتدع (گمراہ) فرقہ اہل قبلہ میں سے ہے، اس لئے ان کی تکفیر اس وقت تک نہ کرنی چاہئے جب تک کہ یہ ضروریاتِ دین کا انکار نہ کریں، اور متواترات شرعیہ کو رد نہ کریں، اور ان امور کو قبول کرنے سے انکار نہ کریں جن کا دین سے ہونا یقینی (اور بدیہی) طور پر معلوم ہے۔''

تاویل باطل خود کفر ہے:

مصنف علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں: ''فتوحات الٰہیہ'' میں ج:۲ ص:۸۵۷ پر فرماتے ہیں: تاویل فاسد (باطل) کفر کے مانند ہے۔ باب:۲۸۹ کی مراجعت کیجئے۔

لزوم کفر، کفر ہے یا نہیں؟:

''کلیات ابوالبقاء'' میں لفظ ''کفر'' کے تحت لکھتے ہیں:

''ہر وہ قول موجب کفر ہے جس میں کسی مجمع علیہ اور منصوص امر کا انکار پایا جائے، چاہے اس کا معتقد ہو، چاہے ازراہِ عناد کہا ہو (اس سے کچھ فرق نہیں پڑتا)۔''

امام شعرانیؒ ''یواقیت'' میں فرماتے ہیں:

''کمال الدین ابن ہمامؒ فرماتے ہیں کہ صحیح یہ ہے کہ کسی کے مذہب سے جو امر لازم آئے وہ اس کا مذہب نہیں

ہوتا، اور محض کفر کے لازم آنے سے کوئی شخص کافر نہیں ہوتا، اس لئے کہ لازم آجانا اور بات ہے اور اس کا التزام (اختیار) کرنا اور بات ہے، لیکن ''مواقف'' کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ (لزوم کفر کا کفر نہ ہونا) اس شرط کے ساتھ مشروط ہے کہ اس صاحب مذہب کو اس لازم آنے کا اور اس کے کفر ہونے کا علم نہ ہو (اور اگر وہ جانتا ہے کہ میرے مذہب پر یہ لازم آتا ہے اور یہ کفر ہے، اس کے باوجود وہ اس پر قائم ہے تو یقیناً کافر ہوجائے گا، اس لئے کہ رضا بالکفر کفر ہے) اس لئے کہ صاحب ''مواقف'' کے الفاظ یہ ہیں:

''من یلزمه الکفر ولا یعلم به لیس بکفر.''

ترجمہ:......''جس کو کفر لازم آجائے اور اس کو اس کا علم نہ ہو، وہ کافر نہیں ہے۔''

اس کے مفہوم سے صاف ظاہر ہے کہ اگر وہ جانتا ہے تو کافر ہوجائے گا، اس لئے کہ اس نے جان بوجھ کر کفر کو اختیار کیا ہے، واللہ اعلم!''

''کلیات ابوالبقاء'' میں فرماتے ہیں:

''(کسی کے قول سے) ایسے کفر کا لازم آنا بھی کفر ہے جس کا کفر ہونا (سب کو) معلوم ہو، اس لئے کہ جب (لازم اور اس کا) لزوم ظاہر و واضح ہو تو پھر وہ التزام (جان بوجھ کر اختیار کرنے) کے حکم میں ہے، نہ کہ لاعلمی میں لازم آنے کے حکم میں۔''

مصنف علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں: ''مواقف'' کی (مذکورہ بالا) عبارت میں

لازم کے کفر ہونے کو جاننے کی قید نہیں ہے، اس میں تو صرف اتنا ہے کہ لازم آنے کو جانتا ہو، (یعنی امام شعرانیؒ نے ''لازم کے کفر ہونے کا علم'' از خود اضافہ فرمایا ہے، صاحب ''مواقف'' کی عبارت سے تو صرف اتنا معلوم ہوتا ہے کہ لاعلمی میں جو کفر لازم آجائے وہ کفر نہیں ہے)۔

ضروریاتِ دین میں تاویل بھی کفر ہے، بلکہ تاویل انکار سے بھی بڑھ کر:

مشہور محقق حافظ محمد بن ابراہیمؒ الوزیر الیمانی اپنی کتاب ''ایثار الحق علی الخلق'' میں ص:۴۴۱ پر فرماتے ہیں:

''اس لئے کہ ضروریاتِ دین کا انکار یا ان میں تاویل کرنا کفر ہے۔''

اسی کتاب کے ص:۴۳۰ پر فرماتے ہیں:

''علاوہ ازیں ان(۱) پر یہ اعتراض بھی وارد ہوتا ہے کہ بعض اوقات کسی امر حرام کی حرمت کا اقرار کرتے ہوئے اس کو عمداً اختیار کرنے کی بہ نسبت اس امر حرام کو تاویل کرکے حلال بنالینا زیادہ سخت (گمراہی کا موجب) ہوتا ہے، اور یہ وہاں ہوتا ہے جہاں وہ تاویل سے حلال بنایا ہوا امر ایسا ہو کہ اس کی حرمت قطعی طور پر سب کو معلوم ہو، مثلاً ترکِ صلوٰۃ (یعنی کسی تاویل کی بنا پر نماز کو ترک کرنا، مثلاً یہ کہنا کہ نماز جاہل اور سرکش عربوں میں نظم و ضبط اور اتباعِ امیر کا شعور پیدا کرنے کے لئے تھی، اور وضوان کو طہارت و نظافت کا عادی بنانے کے لئے،

(۱) یعنی ان لوگوں پر جو ''غلط تاویل'' کی بنا پر کسی مسلمان کو کافر کہنے والے کو بھی کافر کہہ دیتے ہیں۔

اور ہمیں اس کی ضرورت نہیں ہے) چنانچہ جو شخص (اسی قسم کی کوئی) تاویل کرکے نماز چھوڑتا ہے، وہ متفقہ طور پر کافر ہے، اور جو شخص قصداً نماز نہیں پڑھتا، مگر اس کی فرضیت کا اقرار کرتا ہے، اس کو کافر کہنے میں اختلاف ہے (بیشتر ائمہ و فقہاء اس کو گنہگار اور فاسق کہتے ہیں، بعض علمائے ظاہر اس کو کافر کہتے ہیں) تو دیکھئے مذکورہ مثال میں تاویل (کا حکم عمداً ترک کے مقابلہ میں) تحریم کے لحاظ سے کتنا سخت ہے (کہ تاویل کرکے نماز چھوڑنا متفقہ طور پر کفر ہے، اور بغیر کسی تاویل کے عمداً نماز ترک کرنے کے کفر ہونے میں اختلاف ہے، کوئی کافر کہتا ہے اور کوئی نہیں)۔''

جو تاویل ضروریاتِ دین کے مخالف و منافی ہو، وہ کفر ہے:

اسی ذیل میں ص:۱۲۱ پر فرماتے ہیں:

''نیز کبھی انسان ایسے امور میں تاویل کرنے کی وجہ سے کافر ہوجاتا ہے، جن میں تاویل کی مطلق گنجائش نہیں جیسے ''قرامطہ'' کی تاویلیں (کہ اللہ سے مراد امام وقت ہے) اور بعض تاویلوں سے ضروریاتِ دین کی مخالفت لازم آجاتی ہے، اور تاویل کرنے والوں کو پتہ بھی نہیں چلتا (اور کافر ہوجاتے ہیں) یہ وہ مقام ہے جس میں انسان علم الٰہی اور احکام آخرت کے اعتبار سے کفر کے خطرہ سے ہرگز محفوظ نہیں رہ سکتا، اگرچہ ہمیں علم نہ ہو۔''

صفحہ:۱۲۱ پر فرماتے ہیں:

''اسی طرح علماءِ امت کا اس پر بھی اجماع منعقد ہوچکا

مراد یقینی طور پر معلوم نہ ہوں، اور ان کے متعین کرنے میں دقت اور دشواری ہو تو اگر ان کی تفسیر کرنے میں گمراہی کا خطرہ اور غلطی کرنے میں گناہ کا اندیشہ ہو تو ان میں سے جو عقائد سے متعلق ہیں (ان کو تو ہم علی حالہ رہنے دیں گے اور) جو ان میں خود ساختہ تعبیرات کو بالکل ترک کردیں گے اور احتیاط و توقف کا مسلک اختیار کریں گے، اس لئے کہ ان میں عمل کا تو سوال ہی نہیں کہ ان کے متعین معنی کی معرفت حاصل کرنا ضروری ہو (پھر تفسیر کی ضرورت کیا؟ جس طرح قرآن میں وارد ہوا، اسی طرح ہم ایمان لے آئے، اللہ کے نزدیک جو بھی ان کی مراد ہے، برحق ہے، اگرچہ ہمیں اس کا علم نہ ہو) اور اگر گمراہی کا خطرہ نہ ہو (اور عمل سے اس کا تعلق ہو) تو ہم ظن غالب پر عمل کریں گے، (یعنی ظن غالب سے ان کے معنی و مراد کو متعین کرکے ان پر عمل کریں گے) اس لئے کہ عملیات میں ظن غالب ہی معتبر ہے اور باجماع امت ظن غالب پر عمل کرنا واجب یا جائز ہے۔ واللّٰہ الہادی والموفق!"

دین اسلام عقل انسانی کی دسترس سے بالاتر ہے:

اسی کتاب کے ص:۱۱۶ پر فرماتے ہیں:

"دوم یہ کہ امت کا اس پر اجماع ہے کہ جو شخص اس دین کی جو قطعی طور پر معلوم و معروف ہے، مخالفت کرے اس کو "کافر" کہا جائے گا، اور اگر وہ دین میں داخل (اور مسلمان) ہونے کے بعد (اس مخالفت کی بنا پر) دین سے نکلا ہے تو اس کو

"مرتد" کہا جائے۔ اور اگر دین انسان کی (عقل و قیاس اور نظر و فکر سے ماخوذ ہوتا (یعنی عقل انسانی دین کی مدون ہوتی) تو اس کا منکر کافر نہ ہوتا، (اس لئے کہ اس صورت میں دین کو تجویز کرنے والی بھی عقل انسانی ہوتی اور مخالفت کرنے والی بھی عقل انسانی، اور ایک عقل انسانی کو دوسری عقل انسانی پر کوئی فوقیت اور اقتدار اعلیٰ حاصل نہیں کہ اس کا مخالف مرتد اور واجب القتل ہو) لہٰذا ثابت ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک کامل و مکمل اور محکم و پختہ (عقل انسانی کی دسترس سے بالاتر) دین لے کر دنیا میں تشریف لائے ہیں، اور یہ کہ کسی شخص کی یہ مجال نہیں ہے کہ وہ آپؐ کے بعد اس دین پر نکتہ چینی اور حرف گیری کی (چہ جائیکہ ترمیم و تنسیخ یا نظر ثانی کی) ہمت کرے، اور آپ کے دین کو کامل بنانے کا نام لے۔"(۱)

موجبات کفر میں تاویل تکفیر سے مانع نہیں:

اسی کتاب کے ص:۲۱۵ پر فرماتے ہیں:

"یاد رکھو! دراصل کفر کا مدار عمداً تکذیب (جھٹلانے) پر ہے خواہ معروف و مشہور کتب الٰہیہ میں سے کسی کتاب کی تکذیب ہو، خواہ انبیاء علیہم السلام میں سے کسی بھی نبی و رسول کی تکذیب ہو، خواہ اس دین و شریعت کی تکذیب ہو، جس کو وہ لے کر دنیا میں آئے۔ بشرطیکہ وہ امر دین جس کی تکذیب کی گئی ہے، اس کا ضروریاتِ دین میں سے ہونا قطعی طور پر معلوم ہو، اور اس

(۱) اس زمانہ میں جو لوگ اسلام کی "تعمیر نو" کے نام سے دین کو مسخ کررہے ہیں، وہ کان کھول کر سن لیں۔

میں بھی کوئی اختلاف نہیں کہ یہ عمداً تکذیب یقیناً کفر ہے، اور جو شخص اس کا مرتکب ہو اگر وہ ذی ہوش، عاقل و بالغ انسان ہے اور حواس باختہ (دیوانہ و پاگل) یا مجبور و مضطر نہیں ہے تو یقیناً کافر ہے، اور اس شخص کے کافر ہونے میں بھی کوئی اختلاف نہیں جس نے کسی مجمع علیہ اور بدیہی طور پر معلوم و معروف امر دین کے انکار پر تاویل کا پردہ ڈالا ہوا ہو، درآں حالیکہ اس میں تاویل ممکن نہ ہو، جیسے کہ ملحد ''قرامطہ'' نے کیا ہے۔''

زیر بحث مسئلہ میں ''القواصم والعواصم'' کے اہم ترین اقتباسات:

مصنف علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں: انہی محقق محمد بن ابراہیم الوزیر الیمانی کی دوسری کتاب ''القواصم والعواصم'' سے ہم زیر بحث مسئلہ پر چند اقتباسات پیش کرتے ہیں، ملاحظہ ہوں، نیز فرماتے ہیں: محقق موصوف نے (علاوہ ان اقتباسات کے جو ہم پیش کر رہے ہیں) اسی کتاب کے جزو اول کے اندر بھی مذکورہ ذیل عنوان کے تحت تکفیر کا مسئلہ تفصیل سے بیان کیا ہے:

"الفصل الثالث: الاشارة الى حجة من كفر هؤلاء وما يرد عليها."

ترجمہ:...... ''تیسری فصل، ان لوگوں کے دلائل اور ان پر وارد ہونے والے شکوک و شبہات کی جانب اشارہ جو ان لوگوں کو کافر کہتے ہیں۔''

فرماتے ہیں: اور غالباً "الوهم الخامس عشر" کے تحت اس کا تذکرہ کیا ہے، نیز محقق موصوف نے بیہقی کی کتاب ''الاسماء والصفات'' کے حوالہ سے خطابیؒ کی

ایک نہایت مفید اور اہم تحقیق بھی نقل کی ہے، جو خطابیؒ کی دوسری کتاب ''معالم السنن'' کی مراد کو واضح کرتی ہے، اور ''مسئلہ تقدیر'' کے تحت "الاسماء والصفات" کے حوالہ سے عزیر نبی علیہ السلام کا نام انبیاءؑ کی فہرست سے مٹا دینے کی مراد کو بھی واضح کرتی ہے، حالانکہ عزیر علیہ السلام نبی تھے۔

جو تاویل عہدِ نبوت اور عہدِ صحابہ میں مسموع نہ ہو وہ معتبر نہیں:

محقق موصوف ''جزء ثالث'' کے شروع میں فرماتے ہیں:

''دوسری دلیل یہ ہے اور یہی صحیح اور لائق اعتماد ہے کہ عہد نبوت اور عہد صحابہ میں ان نصوص (اور آیات) کی کثرت، اور بار بار ان کی تلاوت کا اس طرح اعادہ کہ نہ ان میں کوئی تاویل کسی سے سنی گئی، اور نہ کسی نے ان کے ظاہری معنی پر اعتقاد رکھنے سے کسی ناواقف شخص کو منع کیا، یہاں تک کہ عہد نبوت اور عہد صحابہ (اسی طرح) گزر جاتے ہیں، یہ (تواتر معنوی) ان نصوص (اور آیات) کے مؤول نہ ہونے کے تیقن کی (نہایت قوی) دلیل ہے، قرآن کریم کی یہ آیت کریمہ بھی اسی دلیل کی جانب اشارہ کرتی ہے:

"اِیْتُوْنِیْ بِکِتَابٍ مِّنْ قَبْلِ هٰذَآ اَوْ اَثَارَةٍ مِّنْ عِلْمٍ اِنْ كُنْتُمْ صَادِقِیْنَ." (الاحقاف:۴)

ترجمہ:...... ''اگر تم سچے ہو تو اس سے پہلے کی کسی کتاب یا کسی علم و یقین کے لئے مفید دلیل ماثور سے اس (اپنے دعوے) کا ثبوت دو۔''

(معلوم ہوا کہ دعوے کی صحت کا ثبوت انہی دو چیزوں سے پیش کیا جا سکتا

کے ثبوت کو جانتا ہو) جیسا کہ اس سے قبل بیان کیا جاچکا ہے، باقی معنی کی وضاحت کے اعتبار سے تو کیا یہ ممکن ہے کہ (کوئی امر) ''قطعی'' اور یقینی تو ہو، لیکن ''ضروری'' نہ ہو؟ (یعنی اس کا ثبوت حد تواتر تک نہ پہنچا ہو؟ یہ ایک سوال ہے جس کا جواب بیشتر اصولیین کے بیانات سے تو نکلتا ہے کہ ایسا ہونا جائز ہے (کہ کوئی امر قطعی تو ہو مگر ضروری (متواتر) نہ ہو) لیکن بعض اصولیین کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ ممنوع ہے (یعنی ایسا نہیں ہوسکتا کہ قطعی ہو اور ضروری نہ ہو، بلکہ ہر امر قطعی کے لئے ضروری ہونا ضروری ہے)۔''

محقق موصوف کی رائے:

محقق موصوف فرماتے ہیں:

''میرے نزدیک بھی (آخری) قول (کہ ہر امر قطعی ضروری ہوتا ہے) زیادہ قوی ہے، اس لئے کہ کسی نص کے معنی پر یقین حاصل کرنے کا طریقہ یہی ہے کہ اہل لغت کی جانب سے اس کا یقینی ثبوت موجود ہو کہ وہ فلاں لفظ معین سے فلاں معین معنی مراد لیتے ہیں، اس کے علاوہ اور کوئی معنی مراد نہیں لیتے، اور ظاہر ہے کہ یہ ثبوت نقلی اور سمعی ہے نہ کہ عقلی اور نظری، اور جس امر کے ثبوت کا مدار سماع اور نقل پر ہو نہ کہ عقل و نظر پر، اس میں یقینی استدلال (عقلی) کا کوئی دخل نہیں ہوتا، بلکہ وہ از قبیل متواترات ہوتا ہے، اور متواتر ضروری الثبوت ہوتے ہیں، (لہٰذا اہل لغت سے مذکورہ بالا ثبوت حد تواتر تک پہنچ جانے کے بعد ہی

زیر بحث نص وضاحت معنی کے اعتبار سے یقینی اور قطعی ہوسکتی ہے، لہٰذا ثابت ہوا کہ کسی امر کے قطعی ہونے کے لئے الفاظ کے اعتبار سے صاحب شریعت سے ثبوت کا متواتر ہونا جس طرح ضروری ہے، اسی طرح معنی کے اعتبار سے اہل لغت سے ثبوت کا بھی متواتر ہونا ضروری ہے)۔''

کسی نص (آیت) کا معنی کے اعتبار سے متواتر ہونے کا مطلب:

محقق موصوف جزو ثانی کے آخر میں فرماتے ہیں:

''پروردگار سبحانہ وتعالیٰ کے فاعل مختار ہونے کی دلیل قرآن کریم کی ان نصوص (صریح آیات) پر موقوف اور مبنی قرار دی جائے گی جن کے معنی (ہر خاص و عام کو) معلوم اور معروف ہیں، اور ان میں کسی بھی تاویل کے نہ ہونے پر لفظی قرائن موجود ہیں، بلکہ ان کا ضروریات دین میں سے ہونا اور مسلمانوں کا ان پر اجماع بھی ہر خاص و عام کو معلوم اور معروف ہے، اور ان یقین آفرین قرائن میں سے ایک قرینہ امت مسلمہ کا ان نصوص (آیات) کو بغیر ان کے ظاہری معنی کے فساد پر متنبہ کئے مسلسل تلاوت کرتے رہنا ہے (یعنی اگر ان نصوص کے ظاہری معنی مراد نہ ہوتے تو خیر القرون میں کوئی تو سلف صالحین سے اس پر متنبہ کرتا)۔''

ضرورت شرعیہ کی مثال:

فرماتے ہیں:

''امام رازیؒ نے اپنی کتاب ''محصول'' میں اسی سوال کو نہایت شرح وبسط کے ساتھ بیان کیا ہے اور پھر اس کا جواب دیا ہے، جس کا حاصل یہ ہے کہ (نصوص شرعیہ کے) معانی و مقاصد کا علم قرائن کے ساتھ مل کر ضروری (بدیہی) اور یقینی ہوجاتا ہے، اس لئے کہ مثلاً ہم اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی مراد لفظ ''السمٰوات والارض'' سے یقینی اور بدیہی طور پر جانتے ہیں (کہ یہی آسمان وزمین مراد ہیں، جو ہمارے سامنے ہیں) نہ اس وجہ سے کہ لغت عربی میں مثلاً لفظ ''سماء'' آسمان کے لئے وضع کیا گیا ہے، کیونکہ اس (لغوی) معنی میں تو اشتراک ومجاز اور حذف واضمار وغیرہ کا دخل بھی ہوسکتا ہے، (لہٰذا ان احتمالات کی بنا پر تو لفظ ''سماء'' سے آسمان مراد ہونا قطعی اور یقینی نہیں رہتا بلکہ ہوسکتا ہے کہ حقیقی معنی کے بجائے مجازی معنی مثلاً ''بادل'' مراد ہوں، بہرحال احتمال یقین کے منافی ہے، اس کے برعکس ضرورت شرعیہ کے تحت ہمیں قطعی یقین ہے کہ اللہ تعالیٰ کی مراد یہی زمین وآسمان ہیں)۔''

کسی نص قطعی کے مفید یقین ہونے کا مدار:

اسی کتاب کے آخری جزو کے وسط میں فرماتے ہیں:

''یہ اظہر من الشمس ہے، اس شخص کے لئے جو یقین کے شرائط کو جانتا ہو اور وہ شرائط امور سمعیہ (سماع اور نقل سے تعلق رکھنے والے امور) میں (صاحب شریعت سے) نقل کے اعتبار سے بدیہی تواتر ہے، اور معنی کے اعتبار سے بدیہی طور پر

واضح ہونا ہے (یعنی جس نص کا ثبوت شارع علیہ السلام سے تواتر کی حد کو پہنچ چکا ہے اور اس کے معنی ومراد کی وضاحت بھی بدیہیات کی حد کو پہنچ چکی ہے، وہ نص قطعی ضرور یقین کے لئے مفید ہوگی)۔''

ایسی نص قطعی میں تاویل کے حرام اور ممنوع ہونے کی دلیل:

اس کے بعد فرماتے ہیں:

''باقی اس امر کا یقین کہ اس کی تاویل حرام ہے، بلکہ اس امر کا یقین کہ یہ اپنے ظاہری معنی پر ہے، اس کی دلیل یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ رضوان اللہ علیہم کے عہد میں اس کی شہرت حد تواتر تک پہنچ چکی تھی، اور ہمیں معلوم ہے کہ انہوں نے اس نص کو اس کے ظاہری معنی پر برقرار رکھا (اور کوئی تاویل نہیں کی) اور عادۃً یہ محال ہے کہ اس نص کی کوئی صحیح تاویل ہو اور ان میں سے کوئی بھی اس کا ذکر نہ کرے، جیسا کہ اس سے پہلے بھی بیان آچکا ہے۔''

اور جزو ثالث کے وسط میں ''ایمان بالقدر'' کی نصوص (آیات) کے تحت فرماتے ہیں:

''دوسری دلیل علم ضروری (قطعی ویقینی) کے دعویٰ کی اس شخص کے لئے جو سلف (صحابہؓ وتابعینؒ) کے حالات سے واقف ہے، یہ ہے کہ وہ ان نصوص (آیات) میں مطلق کوئی تاویل نہیں کرتے تھے۔''